دُسۡعَہَا کے لپیٹ میں آ گیا۔ کچھ نے گوشہ نشینی اختیار کی اور کوئی کہتا کہ اپنے اپنے دروازے بند کر کے بیٹھ جاؤ۔ اُس وقت دعوتِ حق اور اصلاحِ امت ایک عظیم الشان قربانی کی طلب گار تھی اِس وقت صرف امام احمد بن حنبلؒ تھے جنہوں نے بدعت کے آگے سر جھکایا نہ روپوش ہوئے اور نہ ہی مناجات پر اکتفا کیا۔ بلکہ خالص دین کے قیام کے لیے میدان میں اتر آئے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملاں کی اذان اور مجاہد کی اذان اور

امام صاحبؒ قید کئے گئے۔ تازہ دم جلادوں نے کئی دنوں میں ایک ہزار کوڑے برسائے۔ مگر امام صاحبؒ فرماتے رہے اس کائنات میں میرے سر کو جھکانے والی اللہ کی کتاب ہے یا سنت رسولؐ۔ اس کے سوا نہ میرے لئے کوئی دین ہے اور نہ علم اور نہ حجت۔

اسی طرح آٹھویں صدی ہجری میں بدعات اور تفرقہ فی المذاہب کے مختلف فتنے اٹھے تو اس وقت ایسے ایسے علماء موجود تھے کہ جن پر ہم فخر کرتے ہیں ابن حجر عسقلانیؒ اور حافظ ذہبیؒ جیسے امیرالمومنین فی الحدیث موجود تھے مگر اقامتِ دین' دعوتِ حق اور اصلاحِ امت کا کام امام ابن تیمیہؒ نے سرانجام دیا۔ امام تیمیہؒ کے نام اور کام کا تعارف ایسے ہی ہے جیسے ہم سورج کا تعارف کرا رہے ہوں۔ سورج کا تعارف کرانا اس کی تشہیر نہیں' تنقیص ہے۔

اور آج بھی جہاد افغانستان کے حوالہ سے اصلاحِ امت کا کام جاری ہے۔ جہادِ افغانستان ہی کا ثمرہ ہے کہ روس کے حصے بخرے ہو گئے۔ امریکہ بھی دیر سویر اپنی اصلاح پر مجبور ہو گا اور اعتدال کے اس راستے پر جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے تجویز کیا ہے چار و ناچار دنیا کو عمل کرنا ہو گا۔؎

کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شد

سوشلزم کے سمندر کی تہہ میں جو گندگی اور غلاظت تھی وہ اس نے اُگل دی ہے اور پیشانی کی دو آنکھوں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔ امریکہ کی ملحدانہ تہذیب کا سمندر اپنی تہہ سے جو کچھ اُگل اور پھینک رہا ہے اس کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ انشاء اللہ پوری دنیا میں "مسلم ورلڈ آرڈر" آنے والا ہے یعنی ؎

هرچه دانا کند' کند نادان
لیک بعد از خرابی بسیار

ایک انگریز مفکر برنارڈ شا نے ایسے ہی تو نہیں کہا تھا کہ سو سال بعد ساری دنیا کا مذہب اسلام ہو گا مگر وہ موجودہ زمانے کے مسلمان کا نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کا اسلام ہو گا۔ اس پیش گوئی میں ابھی چند سال باقی ہیں۔

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
> بدترین لوگ وہ ہیں.....
> (۱) جو شر کی باتیں ادھر سے ادھر لے جاتے ہیں۔
> (۲) جو احباب میں تفرقہ ڈلواتے ہیں۔
> (۳) جو اپنی برات کے لیے دوسروں میں عیب تلاش کرتے ہیں۔

بقیہ : رمضان المبارک

ہیں۔ لیکن یہ نعمت ملتی اسی کو ہے جو ایمان باللہ ایمان بالآخرت اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے مالا مال ہو۔

ان خصوصیات کو سامنے رکھتے ہوئے رمضان المبارک کے ثمرات و برکات کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس مقدس ماہ کے تقاضوں کو کامل خلوص اور غیر فانی لگن کے ساتھ پورا کرتے ہوئے دنیا و آخرت کی سعادتوں اور شادمانیوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔

اللھم اجعلنا منھم (آمین)۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

***

شیخ محمد بن عبد الوہاب

کی دعوت کے تجدیدی پہلو

یہ بات بالکل واضح ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت نے عظیم کامیابی حاصل کی عالم اسلام عام طور پر اور جزیرۃ العرب خاص طور پر اس مبارک سلفی دعوت کے ثمرات سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ آپؒ کی دعوت مسلمانوں کے دورِ انحطاط اور اصلاحی تحریکوں کے آغاز میں منصۂ شہود پر اُبھری' اسے امتِ مسلمہ کو جہالت' پس ماندگی اور بت پرستی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالنے میں بہت بڑی کامیابی ہوئی اور اس نے عالم اسلام پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ اللہ کا فضل خاص طور پر اس دعوت کے ساتھ شامل رہا۔ اس اصلاحی تحریک کے تجدیدی اثمار آج بھی بہت نمایاں ہیں۔ آج ہر نگاہ دیکھ سکتی کہ شیخؒ کے علاقے کے اکثر لوگ صحیح عقیدہ و عمل سے متصف ہو کر بت پرستی کی علامات' تصوف اور متکلمین کی جملہ شکایتوں سے پاک صحیح اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بشکریہ : مجلّہ "المجاہد"

ا۔ **مذہب سلف کا احیاء:** مذہب سلف صالحین کے احیاء اور عقیدہ و عمل میں منہج سلف کی اشاعت کیلئے آپؒ نے بھرپور جدوجہد کی۔ اس کیلئے آپ نے بڑی سے بڑی آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ آپ کو اپنی دعوت کے خلاف اعتراضات کے ایک سیلاب کا سامنا کرنا پڑا اور یہ ایک طبعی بات تھی کیونکہ ہر طرف گمراہی کا دور دورہ تھا' معروف منکر بن چکی تھی اور منکر معروف کا روپ دھار چکا تھا۔ "اٹھارویں صدی عیسوی میں عالمِ اسلام اضمحلال کی آخری حدود کو چھو رہا تھا انحطاط اور پستی کی حد نہ تھی ہر طرف تاریکی تھی۔ ادب و اخلاق کی خرابیاں عام تھیں۔ نفسانی خواہشات کا اتباع عام تھا جہاں تک دینی حالت کا تعلق ہے تو وہ سیاہ پردوں میں مستور تھی۔ وحدانیت جو کہ مقصدِ بعثتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھی' خرافاتِ تصوف میں تبدیلی ہو چکی تھی۔ مسجدیں نمازیوں سے خالی تھیں۔ جھوٹے اور جاہل مبلغین کی کثرت تھی۔ فقراء (صوفیاء) کی جماعتیں گردنوں میں تعویذ لٹکائے باہر نکلتیں تاکہ باطل نظریات کے ساتھ لوگوں کی گمراہی کا سامان فراہم کر سکیں۔ حج کا نام لے کر اولیاءؒ کی قبروں کی زیارت کرتیں۔

شبہات و شہوات کے اس سیلاب میں شیخؒ اور آپ کے پیروکاروںؒ نے خالص توحید کے احیاء اور اس کی اشاعت کیلئے اپنی تمام تر توانائیوں کو وقف کر دیا۔ لوگوں کو شرک' اقسام شرک اور وسائل شرک سے آگاہ کیا۔ اس بارے میں شیخؒ فرماتے ہیں "میرا عقیدہ اور دین وہی تھے جو اہل سنت و الجماعت کا ہے جس پر آئمۂ اربعہ کاربند رہے۔ میں نے لوگوں کے سامنے توحید کو واضح کیا ہے اور انھیں زندہ یا فوت شدہ صالحین سے استعانت اور غیر اللہ کی نذر و نیاز اور سجدے وغیرے سے منع کیا ہے کیونکہ یہ سب کچھ صرف اللہ کا حق ہے۔ کوئی فرشتہ یا نبی بھی اس میں اس کا شریک نہیں ہو سکتا یہی تمام انبیاء کی دعوت تھی اور اسی پر اہل سنت و الجماعت کار بند ہیں"۔

شیخ محمد بن عبد الوہابؒ اس امر واقعہ کا مکمل ادارک رکھتے تھے' لوگوں کے بارے میں مکمل طور پر آگاہ تھے' اسی لئے آپ

اپنی تمام تر مساعی توحید' عبادات اور شرک کی تردید کے لئے بروئے کار لاتے تھے۔ توحید کی اہمیت کے باوصف اس کے تجدیدی پہلو میں انحراف کا عمل و دخل زیادہ تھا۔

> **شیخؒ اور ان کے ساتھیوں نے لوگوں کو شرک' اقسام شرک اور وسائل شرک سے آگاہ کرنے کا گراں قدر کارنامہ انجام دیا۔**

شیخؒ نے باربار صراحت کے ساتھ اپنی دعوت کے مقصد کا ذکر کیا ہے آپؒ نے واضح کیا کہ میں صرف اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ کتاب سنت کی پیروی' اور شرعی نصوص کے سامنے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر جھک جانے کی دعوت دیتا ہوں۔ آپؒ فرماتے ہیں "بحمد اللہ میں کسی صوفی یا فقیہ' متکلم یا کسی امام کی طرف دعوت نہیں دیتا۔ نہ اپنی' نہ قیمؒ نہ ابنِ کثیرؒ کی طرف۔ میں تو صرف ایک اللہ کی طرف دعوت اور سنتِ رسولؐ کی پیروی کا درس دیتا ہوں۔ میرے سامنے جب بھی حق آئے گا میں سر تسلیم خم کر دوں گا میں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام مخلوق کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں کہ اگر تم میں سے کوئی ایک شخص بھی حق بات لیکر آئے گا تو حق کو میں سر آنکھوں پر بٹھاؤں گا۔" (الدرر السنیہ فی الاجوبہ النجدیۃ ۳۲۱)

۲۔ آپ کا شرعی دلیل کی اتباع کرنا: کسی دلیل کی اتباع کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے شیخؒ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہ آراء رجال کے لئے تعصب کا ماحول تھا عام مسلمانوں میں اندھی تقلید کا رواج تھا لوگ فقہاء کے اقوال کے مقابلہ میں کسی طرح کی کوئی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔

شیخؒ اگرچہ کتاب و سنت ہی کی دعوت دیتے تھے مگر آپ اہلِ علم کی آراء و اقوال کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے اور انھیں ان کے شایاں شان مقام پر رکھتے تھے۔ افراط و تفریط کے درمیان یہی راہ اعتدال ہے۔

شیخؒ فرماتے ہیں "مومن کو اختلافی امور میں کتاب وسنت کی روشنی میں خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم سے رہنمائی حاصل کر کے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اس دوران اس کے لیے اہل علم کا احترام ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے لیکن انہیں ارباباًمن دون اللہ کا منصب عطا نہیں کرنا چاہیے یہی اہل ایمان کا راستہ ہے اہل علم کی توہین کرنا غیر پسندیدہ لوگوں کا شیوہ ہے۔ انہیں ارباباً من دون اللہ قرار دینا اور کتاب و سنت کے مقابلہ میں ان کی تقلید کرنا گمراہوں کا شیوہ ہے (مجموعۃ مؤلفات الشیخ ۲/ ۹۸)

اس بارے میں شیخؒ فرماتے ہیں اگر آپ کو کہیں اختلاف نظر آئے تو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی طرف رجوع کریں' حق واضح ہونے پر اس کی پیروی کریں اور حق واضح نہ ہو تو جس کے دین اور علم پر اعتماد ہو اس کی تقلید کریں۔"

۳۔ شیخؒ کی دعوت کا ایک تجدیدی پہلو: شیخ کی دعوت کا ایک تجدیدی پہلو یہ بھی ہے کہ آپؒ کے دور میں تالیف و تصنیف کی تحریک اُبھری ۔شرعی علم کا احترام ہونے لگا حالانکہ دعوتِ سلفیہ کے علماء دوسرے کئی اہم شعبوں مثلاً جہاد' تدریس قضاء وغیرہ میں مصروف تھے ۔بشام قمطراز ہے "شیخ سے پہلے علماء کی علمی کاوشیں صرف فروعی اور فقہی مسائل تک محدود تھیں

> **شیخؒ نے اپنی دعوت واضح کی اور کہا "میں صرف اللہ' کتاب و سنت اور شرعی نصوص کے سامنے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر جھک جانے کی دعوت دیتا ہوں۔"**

اور ان کی علمی تحقیق اس سے آگے نہ بڑھتی تھی۔ شیخؒ کی دعوت عام ہونے سے ان کا انداز تبدیل ہو گیا دینی علوم کے کئی پہلو سامنے آئے۔ توحید کا خاص طور پر اہتمام ہونے لگا۔ سلفی تفاسیر

مثلاً ابن کثیرؒ، ابن جریرؒ وغیرہ۔ یہ دلچسپی بڑھ گئی اس طرح کتبِ حدیث اور ان کی شروح کی طرف بھی توجہ مبذول ہوئی۔

۴۔ دعوت کے ثمرات: ایک صحیح اسلامی ریاست کے قیام کی صورت میں یہ دعوت ثمر آور ہوئی اور اس میں شک بھی

اولیاء اللہ اور اہل علم کو اربابا من دون اللہ قرار دینا اور کتاب و سنت کے مقابلے میں ان کی تقلید کرنا گمراہوں کا شیوہ ہے۔

کیا ہے کہ سلف صالحینؒ کی اتباع، زمین پر خلافت عطا کرنے کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کا ایمان تھا کہ دینی اصلاح، سیاسی اصلاح سے الگ رہ کر نہیں ہو سکتی آپ عینیہ کے حکمران عثمان بن معمر سے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔ "مجھے یقین ہے کہ اگر آپ لا الہ الا اللہ کی نصرت کی ذمہ داری سنبھالیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا آپ نجد کے مالک بن جائیں گے اللہ تعالیٰ کا وعدہ بالکل سچ ہے۔

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا" (۲۴: ۵۵)

ایک طاقتور اسلامی حکومت ہی منہج صحیح کی حفاظت کرتی ہے اور لوگ بھی اسے پھر ہی قبول کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں لہٰذا بیان کے ساتھ ساتھ سناں کا ہونا ضروری ہے۔

۵۔ دعوت کا ایک ابداعی پہلو: اس دعوت سے اقتصادی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔ باہم اتفاق و اتحاد نے جنم لیا۔ تفرقہ بازی ختم ہوئی اِمن و امان کا دورہ ہوا قبل ازیں بلادِ نجد سر پھٹوّل کا شکار تھے۔ نجد کئی امارتوں میں منقسم تھا جن میں ہمیشہ لوٹ مار کا بازار گرم رہتا۔ بھوک اور مفلسی عام تھی پھر وہ وقت آیا کہ خدا نے اُن پر اپنا فضل و کرم کیا۔ زمین و آسمان سے برکات برسنے لگیں۔ ہر طرف امن و امان قائم ہو گیا اور لوگ شیر و شکر ہو گئے۔ شیخؒ کی دعوت سے پہلے نجد میں امن و امان کی حالت کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرنا کافی ہو گا۔ ابن بشرؒ کہتے ہیں "۱۱۲۰ھ میں مشہور شہر تویم کا حکمران حسین بن مفیذ قتل کر دیا گیا اِس کے چچا زاد بھائی فایز نے اسے قتل کیا اور خود تویم کا کنٹرول سنبھال لیا، پھر فایز مذکور کو قتل کر دیا اور فوزان نامی ایک شخص کو اس کی جگہ بٹھا دیا گیا، پھر ناصر بن حمد نے فوزان سے غداری کرتے ہوئے اسے قتل کر دیا اور محمد بن فوزان اس کا جانشین بن گیا اور چند دنوں کے بعد اسے بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کے قاتل چار تھے چنانچہ انھوں نے شہر کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور الگ الگ حکومتیں کرنے لگے۔" ابن بشرؒ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ اس لیے بیان کیا ہے تاکہ اسلام، اتحاد اور سمع و طاعت کی برکات کا اندازہ لگایا جا سکے۔ یہ "بستی تو پہلے ہی قحط الرجال اور قحط المال میں مبتلا تھی۔ اب اس پر چار حکمران بن بیٹھے۔" (عنوان المجد / ج ۲ / ۳۵۶-۳۵۷)

علاوہ ازیں اس دعوت کے کئی ایک روشن پہلو ہیں۔ مثلاً یہ کہ سلبی پہلوؤں سے ہٹ کر ایجابی اور علمی پہلوؤں پر توجہ مرکوز ہوئی۔ دعوت و اصلاح میں کئی ایک اسالیب کا اضافہ ہوا

شیخ کی دعوت سے دعوت و اصلاح کے کئی اسالیب وجود میں آئے۔ کبھی جہاد کے رنگ میں، کبھی خط و کتابت کی صورت میں اور کبھی مناظرہ کرنے کے انداز میں۔

کبھی جہاد کے رنگ ہیں، کبھی خط و کتابت کی صورت میں اور کبھی مخالفین کے جوابات دینے اور مناظرہ کرنے کے انداز میں۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصاحبہ

○ ○ ○

رمضان المبارک اور دعا

رَمَضَانُ الْمُبَارَک

مقصد، اہمیّت، برکات و ثمرات

دعا

اہمیت، آداب اور اوقاتِ قبولیتِ دعا

زیر نظر مضمون ملک کے نامور عالم دین اور مدینہ یونیورسٹی کے سابق پروفیسر مولانا عبدالغفار حسن کے قلم کا شہکار ہے۔ اپنے موضوع پر جامع ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اس سے قبل یہ مضمون کئی رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔ رمضان المبارک کی مناسبت سے اس کو مجلّہ 'دعوت' میں شائع کیا جا رہا ہے کہ قرب الٰہی کے متلاشی اس سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اس مضمون میں رمضان المبارک میں دعاء کی اہمیت ' آداب' اوقات اور ثمرات دعا بھی بیان کئے گئے ہیں۔

مقصد ماہ رمضان

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا میں دو قسم کے افکار و خیالات پھیلے ہوئے تھے۔ اور انسانی آبادی افراط و تفریط کی دو انتہاؤں میں بٹی ہوئی تھی۔

۱۔ ایک خیال یہ تھا۔ **مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ** (سورة الجاثیہ:۲۴) بس جو کچھ ہے۔ یہی زندگی ہے۔ موت و حیات کا چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ ہمیں گردش زمانہ ہی ہلاک کرتی ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی اور حشر و نشر کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔

اس قسم کے خیالات میں مست رہنے والے افراد کے پیش نظر عیش پرستی، شکم پروری اور ہوس رانی کے سوا زندگی کا کوئی اور مقصود ہی نہ تھا۔

يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (سورة محمد: ۱۲) یعنی یہ لوگ روحانی اور اخلاقی قدروں اور تقاضوں سے بے پروا ہو کر کھانے پینے ہی کو زندگی کا اصل مقصد سمجھتے ہیں۔ ان کا حال مویشیوں اور چوپاؤں سے مختلف نہیں ہے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اس قسم کی سوسائٹی میں نہ صرف یہ کہ روحانی اور اخلاقی قدروں سے بے نیازی برتی جاتی ہے بلکہ ان کو پامال کرنے اور نئی نسل کو ان سے متنفر اور باغی بنانے کے لیے ساری صلاحیتیں اور توانائیاں بھی صرف کر دی جاتی ہیں۔

رقص و سرود (ناچ گانے) اور دوسری مخرب الاخلاق تفریحات اور تماشوں کے ذریعے پوری آبادی کو اپنے خالق و مالک سے بیگانہ اور عیش و عشرت کا رسیا بنا دیا جاتا ہے۔

یہ عیش پسند معاشرہ اپنی کج روی اور فاسقانہ' باغیانہ زندگی کی بناء پر جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو خدا کا تازیانہ حرکت میں آتا ہے۔ اور چہل پہل سے بھرپُور بستیوں اور پُرشکوہ عمارات و محلّات کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی ہے۔ اور چشمِ زدن میں یہ ساری رونق و بہار ویرانی اور بربادی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا (بنی اسرائیل:۱۶) جب ہم بستی کو (اس کے باشندوں کی بداعمالیوں کی بنا پر) ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ تو (اتمامِ حجت کے لیے) اس کے خوشحال طبقہ کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں۔ (لیکن) وہ فسق و فجور کی راہ اختیار کرتے ہیں تو اس صورت میں اس بستی پر ہمارا قانونِ عذاب چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے نیست و نابود کر ڈالتے ہیں۔

۲۔ کچھ خدا ترس لوگوں نے عیش پسند سوسائٹی کی خرابیوں اور تباہ کن نتائج کو دیکھ کر اصلاحِ حال کے لیے ایسی راہ تجویز کی جس کی بناء پر وہ دوسری انتہا کو پہنچ گئے۔ یعنی خدا کا قرب اور دائمی راحت اس وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ جب انسان دنیا کے معاملات اور ہر طرح کی راحتوں اور لذتوں سے کنارہ کش ہو کر غاروں' صحراؤں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لے۔ قرآن کریم میں اس خیال کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہے: **وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ** (الحدید:۲۷) ان لوگوں نے ترکِ دنیا کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے۔ یہ ہم نے ان پر لازم نہیں کیا تھا۔

اس راہ کو اختیار کرنے کا معنی یہ نہیں کہ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا حق صرف فسّاق و فجّار اور خدا سے باغی لوگوں کو ہی حاصل ہے۔ خدا کے وفادار بندے ان سے بے تعلق رہ کر ہی دنیا و آخرت میں نجات و کامرانی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے افراد کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف:۳۲) کہہ دیجئے کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اس زینت اورپاکیزہ رزق کو حرام کر دیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے۔

پہلی قسم کے خیالات ہوں یا دوسری نوع کے افکار' دونوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے انسان کے فطری تقاضے پورے ہو سکیں' اور دنیاو آخرت میں حقیقی شادمانی و کامرانی سے سرفراز ہو سکے۔

انسان میں فطری طور پر تین قسم کی خواہشات پائی جاتی ہیں۔

۱۔ کھانے پینے کی خواہش (۲) جنسی تعلق قائم کرنے کی خواہش (۳) راحت و آرام کی خواہش۔

اب اگر ان تینوں خواہشات کو بے قید آزادی دے دی جائے تو عیش پرستانہ زندگی میں انسان کا مبتلا ہو جانا یقینی ہے۔ اور اگر ان کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کی جائے تو انسانیت کی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اسلام نے افراط و تفریط کی ان دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ پیش کی ہے۔

یہ اعتدال پیدا کرنا رمضان المبارک کا اوّلین مقصد ہے۔ اس بات کو قرآن حکیم نے "**لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ**" (تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو) سے واضح کیا ہے۔

روزے کی حالت میں دن بھر ایک مسلمان بھوک کی شدت' پیاس کی تیزی اور جنسی خواہش کے ہیجان کو قابو میں رکھتے ہوئے مذکورہ بالا اوّلین دو خواہشات کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتا ہے اور افطار کے بعد جب تھکا ماندہ جسم آرام کا طالب ہوتا ہے تو اس وقت وہ مؤذن کے بلانے پر نہ صرف یہ کہ نمازِ فرض و سنت ادا کرتا ہے بلکہ تراویح کی طویل نماز بھی اسے

ادا کرنی پڑتی ہے۔

اس طویل عبادت کے بعد انسان پھر آرام کے لیے لیٹتا ہے۔ اور صبح تک راحت و سکون کی طلب اس میں پائی جاتی ہے۔ لیکن پورے انتیس یا تیس دن اسے خلافِ معمول پھر رات کے آخری حصے میں سحری کے لیے اٹھنا ہوتا ہے۔ اس طرح انسان کا جسم عیش و عشرت اور سکون و راحت کا دلدادہ ہونے کے بجائے مشقت اور جفاکشی کا عادی ہو جاتا ہے اور یوں اس کی تیسری خواہش بھی بے قید آزادی کا شکار ہونے سے بچ جاتی ہے۔

روزے سے جس توازن اور عدل کی شاہراہ پر انسان کا قدم اٹھتا ہے، وہی اسے تقوی کی منزل تک پہنچاتا ہے: **اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى** (المائدہ:۸) عدل کی راہ اختیار کرو وہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اعتدال اور میانہ روی کی یہ کیفیت وہ ہے جس کی بناء پر انسان تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے رب کا قرب اور اس کی بے پایاں رحمت کا مستحق ہو سکتا ہے اور یہی رمضان المبارک کا اصل مقصد ہے۔

رمضان کی خصوصیات

رمضان کا مبارک اور مقدس مہینہ جن خصوصیات اور محاسن کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ ان سب کی تفصیل تو اس مضمون میں ناممکن ہے۔ اِس موقع پر صرف چند اہم اور نمایاں خصوصیات روزہ، قیام اللیل، اجتماعیت، تلاوت قرآن، دعا، انفاق فی سبیل اللہ لیلۃ القدر اور اعتکاف کی تشریح اور تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے ان کے نتائج اور ثمرات کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

۱۔ فرض روزے اور ان کے ثمرات

۱۔ روزے کا پہلا ثمر ایمان کی ازسر نو تازگی اور شادابی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی صفات خصوصاً اس کے علیم و خبیر اور مالک یوم الدین ہونے پر روزہ یقین پیدا کرتا ہے۔ روزے کی حالت میں بھوک پیاس کی شدت اور جنسی خواہش کے ہیجان پر وہی شخص قابو پا سکتا ہے جو مذکورہ بالا خدائی صفات پر ایمان رکھتا ہو قانون کے ڈنڈے اور پولیس کے پہروں کے بغیر ایک مسلمان اپنے ایمانی تقاضے کی بناء پر اس فرض کو انجام دے سکتا ہے اور اسی طرح اس کی ایمانی قوت و حرارت میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ افراد کی اصلاح کے لیے دو قسم کے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔

ا۔ باطنی یعنی قلبی کیفیات اور اندرونی حالت میں انقلاب اور تبدیلی کی جائے۔

ب۔ ظاہری یعنی بیرونی دباؤ اور تعزیری قوانین کے ذریعے برائیوں کو روکنے اور نیکیوں کو نشوونما دینے کی کوشش کی جائے۔

اسلام نے یہ دونوں طریقے اختیار کیے ہیں۔ لیکن اس نے پہلے زیادہ توجہ باطنی اصلاح پر دی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

"سنو۔ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارے جسم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے فرمایا یہ لوتھڑا دل ہے"۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ: ص ۲۴۱ ج ۱)

قلبی کیفیات کو بدلنے اور پاکیزہ میلانات کو پیدا کرنے کے لیے نماز کے بعد اگر کسی عبادت کا مقام ہو سکتا ہے تو وہ روزہ ہے۔

۲۔ روزے کا دوسرا پھل اِخلاص ہے۔ دوسری عادات کا علم کسی نہ کسی طرح دوسرے افراد کو ہو سکتا ہے لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے۔ کہ جب تک خود روزہ دار ہی اپنی زبان سے اس کا اظہار نہ کر دے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی۔ اس عبادت میں ریاکاری اور نمائش کا کم سے کم امکان پایا جاتا ہے۔ اسی بناء پر ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

الصوم لی و انا اجزی بہ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم بحوالہ

مشکوٰۃ : ص ۱۷۳ ج ۱)

روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

۳۔ روزے کی بنا پر انسان میں صبر یعنی ضبطِ نفس اور اپنی خواہشات پر قابو پانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے ایک حدیث میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے **ھو شھر الصبر** (مشکوٰۃ : ص ۱۷۵) یہ بھی واضح رہے کہ اصحابِ صبر کے لیے خدا کے ہاں ثواب بھی ان گنت ہے۔ارشادِ ربانی ہے: **اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ** (الزمر:۱۰) صبر والے خدا کے ہاں اپنا اجر بے حساب پائیں گے۔

۴۔ روزے کی وجہ سے انسان میں جذبۂ شکر اُبھرتا ہے اور خدا کی نعمتوں کی قدر و منزلت اُسے معلوم ہوتی ہے۔ اور پھر یہ جذبہ اسے اپنے محسنِ حقیقی کی محبت سے وابستہ کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب مقامِ محبت حاصل ہو جائے تو پھر عادت و اطاعت کی مثالیں بھی دو چند ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: **وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ** (البقرۃ : ۱۸۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت کی نعمت تمہیں بخشی ہے۔ اس پر تم اس کی بڑائی بیان کرو تاکہ تم (احسانات کا) شکر ادا کرو۔

اِسی جذبہ شکر کو ابھارنے کے لیے ایک حدیث میں حکم دیا ہے کہ دنیاوی لحاظ سے ان لوگوں کو دیکھو جو تم سے کم تر ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم ان نعمتوں کو حقیر نہ سمجھو گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہیں۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ : ص ۴۴۷ ج ۲)

روزے کے افطار کے وقت خاص طور پر اس دعا کے پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی (سنن ابی داؤد۔ مشکوٰۃ : ص ۱۷۵ ج ۲)

اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے دیئے ہوئے رزق پر میں نے افطار کیا، پیاس بُجھ گئی، رگیں تر ہو گئیں اور خدا کے ہاں اَجر ثابت ہو گیا۔ انشاء اللہ

اس دعا میں بھی اعترافِ نعمت ہے۔ اور جذبۂ شکر اُبھارنے کی نمایاں طور پر ترغیب دی گئی ہے۔

۵۔ روزہ انسان میں ہمدردی اور غمخواری کے جذبات کو اُبھارتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے جس نے روزے دار کا روزہ افطار کرا دیا۔ تو اس کو بھی روزے دار کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے پیٹ بھر کر کسی روزے دار کو کھانا کھلایا اسے اللہ تعالیٰ حوضِ کوثر کا جام پلائے گا پھر میدانِ محشر میں پیاس ہی محسوس نہ ہو گی اور جس نے اپنے غلام یا ماتحت شخص سے کام لینے میں نرمی برتی اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔ (بیہقی۔مشکوٰۃ : ص ۱۷۴ ج ۱)

۲۔ قیامِ اللیل

رمضان المبارک کی دوسری خصوصیت رات کا قیام یعنی شب بیداری ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

من قام رمضان ایماناً و احتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ : ص ۱۷۳ ج ۱)

جس نے رمضان کے روزے ایمان کی بناء پر اور ثواب کی نیّت سے رکھے تو اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

قیام اللیل میں نفس کی تربیت جس طرح ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت اس انداز سے کی گئی ہے۔ **اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا** (المزمل : ۶) بلا شبہ رات کا اٹھنا نفس کو کچلنے کے لیے زیادہ ساز گار ہے۔

رات کے آخری حصہ میں نرم گرم بستر چھوڑ کر اللہ کی یاد کے لیے اٹھنا نفس پر انتہائی شاق گذرتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پُرسکون فضا میں اپنے رب سے مناجات اور سرگوشی کرنے میں جو لطف حاصل ہو سکتا ہے اس کا دسواں حصہ بھی دن کے ہنگامہ پرور اوقات میں میسر نہیں آ سکتا۔

نبی اکرمؐ کا قیامِ اللیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویسے تو سال بھر ہی قیام

اللیل کرتے تھے لیکن رمضان میں خاص طور پر رات کا بڑا حصہ عبادت میں بسر کرتے ہیں۔ آپ کی شبانہ عبادت کا انداز اور معمول کیا تھا؟ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آپ نمازِ عشاء کے بعد رات کو گیارہ رکعت نماز ادا کرتے تھے ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے ہر رکعت میں طویل قیام فرماتے بسا اوقات سورۃ بقرہ یا آل عمران یا النساء ایک ہی رکعت میں تلاوت فرماتے یا اس سے کم و بیش مقدار قرآن ایک رکعت میں پڑھ لیتے۔دوران قرات کوئی آیتِ رحمت آتی تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت و عفوکرم کا سوال کرتے اور اگر آیتِ عذاب پر سے گزرتے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے غرض ٹھہر ٹھہر کر قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ طویل قیام کے بعد طویل رکوع فرماتے اور پھر طویل سجدہ اسطرح رات کا جتنا حصہ بھی آپؐ عبادت کے لیے بیدار رہتے نماز اور قرآن میں مشغول رہتے۔

آپؐ رمضان میں شب بیداری کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے آخری عشرے میں آپ کی جدوجہد اور بھی زیادہ تیز ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

اذا دخل العشر شدّ میزرہٗ و احیٰ لیلہٗ و ایقظ اھلہٗ (صحیح بخاری صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ: ص ۱۸۲ ج۱)

یعنی جب (آخری) عشرہ شروع ہوتا۔ تو اپنی کمر کس لیتے رات کو جاگ کر گذارتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔

۳- قرآن کا دور

رمضان المبارک کی تیسری خصوصیت اس ماہ میں قرآن کا نزول ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرۃ: ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔

یہ انداز بیان ظاہر کر رہا ہے کہ رمضان اور قرآن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رمضان قرآن کی سالگرہ منانے کا مہینہ ہے۔اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینے میں جبریل کے ساتھ قرآن کا دور فرمایا کرتے تھے۔ آخری سال آپ نے دو بار دور فرمایا (صحیح بخاری مشکوٰۃ: ص ۱۸۳ ج۱)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ قرآن کے نزول کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قرآن پوری تیزی کے ساتھ بے سمجھے بُوجھے تراویح میں پڑھ لیا جائے بلکہ قرآن مجید کا حق صحیح معنے میں اس وقت ادا ہو سکتا ہے جب اس کے نزول کے تین مقاصد پیش نظر رکھے جائیں۔

لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ (الاسرا: ۱۰۶)

یعنی ہم نے قرآن کو اتارا ہے تاکہ اسے آپ وقتاً فوقتاً اطمینان سے پڑھیں (مطلب یہ ہے پورے سال کے دوران عموماً اور رمضان میں خاص طور پر مختلف اوقات میں تلاوت قرآن کا اہتمام کیا جائے اور یہ اختلاف اوقات و احوال اس لیے ضروری ہے کہ جب طبیعت حاضر ہو اور اخذ مطالب کے لیے پوری طرح مستعد اس وقت قرآن کی تلاوت کی جائے بے دلی اور بوجھل پن کے ساتھ کوئی متعین حصہ قرآن کسی مقررہ وقت پر لازماً پڑھنا فہم قرآن کے اعتبار سے ٹھیک نہیں۔)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ (ص: ۲۹)

ہم نے برکت والی کتاب نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور تدبر سے کام لیں۔ (قرآن پاک برکت والی کتاب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس سے حصول برکت کی صحیح صورت اس کی آیات میں غور و فکر اور تذکر و تدبر کرنا ہے مگر آج کے مسلمان نے قرآن پاک کی ساری برکت اس کو چومنے آنکھوں سے لگانے اور اسے بے سوچے سمجھے پڑھنے اور بیش قیمت غلافوں کے اندر لپیٹنے میں سمجھ رکھی ہے باہں ہمہ کوئی کسر رہ جائے تو اسے قرآن میں آیات و سور کے نقش اور تعویذ بنا کر لوگوں کی گردنوں میں لٹکانے یا بازوؤں کے ساتھ باندھ دینے یا پھر دھو دھو کر پلانے سے پورا کر دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس دور کے مسلمانوں کو ہدایت دے اور انہیں قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس کی حقیقی برکت سے نفع اندوز ہو سکیں۔ آمین)

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (النساء: ۱۰۵)

یعنی ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ اللہ تعالےٰ نے حق کی جو راہ آپ کو دکھائی ہے اس کے مطابق آپ فیصلہ کریں۔ یعنی انسان اپنے نفس پر اپنے گھر پر ماحول پر پورے ملک پر بلکہ پوری دنیا پر اللہ تعالیٰ کی کتاب کے غلبہ اور حکمرانی کو قائم کرنے کی جدوجہد میں لگ جائے۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور معاشرہ کا کوئی حصہ بھی اس کی رہنمائی سے خالی نہ رہے۔

۴۔ انفاق سبیل اللہ

رمضان المبارک کی چوتھی خصوصیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے **اطلق کل اسیرٍ و اعطی کل سائلٍ** (بیہقی مشکوٰۃ: ص ۱۷۴ ج۱) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ تمام قیدیوں کو آزاد فرما دیتے اور ہر سائل کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے۔

ایک دوسری متفق علیہ حدیث میں آپ کی سخاوت کو کثرت و زیادتی کے لحاظ سے تیز ہوا (الریح المرسلہ) سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات خصوصاً نعمتِ قرآن کا شکر اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ اس ماہ میں کثرت سے غرباء و مساکین کی مدد کی جائے اور نیک کاموں میں باہم ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے۔ اسی طرح روزہ دار اس ماہ میں اپنے دل سے بخل کے میل کچیل کو دُور کر سکتا ہے اور اسے سخاوت و فیاضی کا خوگر بنا سکتا ہے۔ ان تمام خصوصیات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کے ذریعہ عبادتِ خالق اور خدمتِ خلق دونوں کی تربیت دی گئی ہے۔

۵۔ اجتماعیت:

رمضان المبارک کی پانچویں خصوصیت اس میں اجتماعیت کا پہلو ہے یہ وہ فضیلت ہے جو رمضان المبارک کے تمام احکام و عبادات میں نمایاں ہے۔

روزہ رکھنے کا معاملہ ہر شخص کی اپنی صوابدید پر نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ ماہ رمضان میں اسے ایک اجتماعی نظم میں کس دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس طرح سب مسلمان ایک ہی وقت میں سحری کھائیں' ایک ہی وقت پر روزہ افطار کریں اور عام طور پر ایک ہی وقت میں نماز تراویح کا بھی اہتمام کریں اس حالت میں اگر کسی کا دل روزے کی طرف راغب نہ بھی ہو تب بھی ماحول اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ روزے کی سعادت سے محروم نہ رہنے پائے۔ اس اجتماعی حکم کی بنا پر کمزور ایمان والے بھی ایمانی قوت کا سرمایہ حاصل کر سکتے ہیں اور عملِ صالح کی کھیتوں کو سرسبز و شاداب بنا سکتے ہیں۔

۶۔ لیلتہ القدر

رمضان کی چھٹی خصوصیت لیلتہ القدر ہے اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے (القدر: ۳) اس رات کو مندرجہ ذیل دعا پڑھنا مسنون ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي (جامع ترمذی مشکوٰۃ: ص ۱۸۲ ج۱)

اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے۔ معافی کو پسند کرتا ہے۔ تو میری خطائیں معاف فرما۔

عام طور پر ستائیسویں شب کو ہی شب قدر سمجھا جاتا ہے حالانکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک شب قدر ہوتی ہے اس لیے ان پانچ راتوں کو خاص طور پر عبادت و تلاوت اور ذکر الٰہی میں گذارنا چاہیے۔

۷۔ اعتکاف

رمضان المبارک کی ساتویں خصوصیت اعتکاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں

PROPERTY OF ACKU

احمد شاہ (وحدت)
Ahmad Shah (Vahdat)
A. K. P. O.

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (سورۃ یوسف ۱۰۸)

MONTHLY DAWAT URDU

ماہنامہ مجلۂ توحید وجہاد

دعوت

بانی : الشیخ جمیل الرحمن شہید

سرپرست : الشیخ سمیع اللہ
امیر جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ - افغانستان

کلچرل کمیٹی، جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ (اہلحدیث) افغانستان

رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ / مارچ ۱۹۹۲ء شمارہ نمبر ۸ - جلد ۵ - مسلسل ۵۵

اس شمارے میں

۱- اداریہ :
مسلم افغانستان کا قیام اور عالم اسلام کی ذمہ داری ۲
۲- مسئلہ افغانستان کا پروقار حل اور
شیخ شہیدؒ کا سنہ کانی نارمولا ۴
۳- دعوت حق کے درویش خدامست ۸
۴- شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت کے تجدیدی پہلو ۱۱
۵- رمضان المبارک - مقصد، اہمیت اور ثمرات ۱۴
۶- زکوٰۃ - احکام و مسائل ۲۳

مجلس ادارت

الشیخ غلام اللہ رحمتی

عبد الرحمن بخاری ○ سید اکرام الحق جاوید

اے۔آر مظہر ○ عبد الرحیم

ہمارے نمائندے

افغانستان : عبد الحمید شورش	سعودی عرب : فیضان اللہ
اسلام آباد : عفیف احمد	امریکہ : عبد الرحمن احمد
پشاور : غنی اللہ مسلم	برطانیہ : منور علی
لاہور : حماد شاکر	جرمنی : وائی - ایم حمیم
کراچی : چوہدری ظہور احمد	ہالینڈ : عماد الدین یحییٰ اسمٰعیل
کوئٹہ : عرفان مینگل	مظفر آباد : بشیر قریشی

زر تعاون

پاکستان میں	بیرونی ممالک کیلئے
ماہانہ : ۱۰ روپے	ماہانہ : ۲ ڈالر
سالانہ : ۱۰۰ روپے	سالانہ : ۲۰ ڈالر

جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ
اکاؤنٹ نمبر ۱۹۴۶۵ حبیب بنک
کینٹ صدر - پشاور

پتہ : ماہنامہ "دعوت" (اردو) ○ پوسٹ بکس نمبر ۹۱۴ پشاور - پاکستان

اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ لیکن آخری سال آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (صحیح بخاری مشکوٰۃ : ۱۸۳ ج ۱)

اسلام نے رہبانیت (ترکِ دنیا) سے منع کیا ہے۔ لیکن انسان کی یہ خواہش بھی فطری ہے کہ وہ یکسوئی کے ساتھ گوشۂ تنہائی میں اپنے رب سے سرگوشیوں میں مصروف ہو اور اس کے حضور میں گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور آئند کے لیے از سر نو اطاعت و وفاداری کا عہد و پیمان باندھے اعتکاف کو مستحب قرار دے کر انسان کی اسی خواہش کو پورا کیا گیا ہے۔

۸۔ دعا

رمضان المبارک کی آٹھویں خصوصیت دعا ہے۔ قرآن مجید میں رمضان المبارک کے احکام و فضائل کو بیان کرتے ہوئے درمیان میں دعا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

وَاِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ (البقرۃ : ۱۸۶)

یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں (تو ان سے کہہ دو کہ) میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی پکار کو میں سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔

قرآن مجید کا یہ انداز بیان ظاہر کر رہا ہے۔ کہ رمضان اور دعا میں انتہائی گہرا ربط پایا جاتا ہے دعا کی مقبولیت کے بیشتر اوقات اس ماہ میں رکھے گئے ہیں۔

رمضان عبادت کا مقدس، پاکیزہ اور پُر بہار موسم ہے۔ اور دعا کے بارے میں ارشاد نبوی ہے۔

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (جامع ترمذی۔ مشکوٰۃ : ص ۱۹۴ ج ۱)

دعا عبادت کا مغز اور گودا ہے۔

اسی بنا پر روزہ دار کی دعا خصوصاً افطار کے وقت اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

رمضان اور دعا میں جو گہری مناسبت ہے، اس کی بنا پر دعا کی اہمیت اور آداب و فضائل کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

دعا کی فضیلت و اہمیت

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ اور اپنے دوسرے برگزیدہ بندوں کا نمایاں وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور دعا کرتے ہیں فرمایا:

یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا (الانبیاء: ۹۰)

وہ ہم کو رغبت اور خوف سے پکارتے ہیں۔

دعا کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن:۶۰)

مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدعاء هو العبادة (مسند احمد جامع ترمذی۔ مشکوٰۃ : ص ۱۹۳)

دعا ہی عبادت ہے۔

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

الدعاء سلاح المومن (مستدرک حاکم۔)

دعا مومن کا ہتھیار ہے۔

اور فرمایا:

لیس شیئی اکرم علی اللہ من الدعاء (جامع ترمذی مشکوٰۃ : ۱۹۴)

اللہ تعالیٰ کو دعا سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

من لم یسئل اللہ یغضب علیہ (جامع ترمذی مشکوٰۃ : : ص ۱۹۵)

جو اللہ تعالیٰ سے سوال و دعا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

روحِ دعا

دعا کے لطف سے صحیح معنی میں انسان اسی وقت آشنا ہو سکتا ہے جب وہ اپنے اوپر وہی کیفیت طاری کر لے جسے شاہ ولی اللہؒ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

و روح الدعاء ان یری کل حول و قوۃ من اللہ و یصیر کالمیت فی ید الغسال و کالتمثال فی ید محرک التماثیل و یجد لذۃ المناجاۃ (حجۃ اللہ البالغہ: ص ۵۱ ج ۲)

یعنی دعا کی روح یہ ہے کہ دعا کرنے والا ہر قوت و حرکت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے اور اس کی قدرت و عظمت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو اس طرح بے کس اور بے بس سمجھے جس طرح مردہ غسال کے ہاتھوں میں یا بے جان مورتیں حرکت دینے والے کے قبضے میں (مجبورِ محض) ہوتی ہیں اور پھر اس کی کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مناجات اور سرگوشی کی لذت اسے حاصل ہو۔

دعا کے آداب و شرائط :

لیکن روحِ دعا کی یہ کیفیت اُسی وقت پیدا ہو سکتی ہے۔ جب قبولیتِ دعا کی ان شرائط و آداب کو بھی ملحوظ رکھا جائے جو قرآن و سنت میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اس کی مثال ظاہری جسمانی علاج کی طرح ہے' بیمار دوا کے ذریعہ شفایاب اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان شرائط و ہدایات کو ملحوظ رکھے جو معالج نے اسے بتائی ہیں اور ان چیزوں سے پرہیز کرے جن سے بچنے کا اس نے حکم دیا ہے محض دوا کا استعمال ہی کافی نہیں ہے یہی حال اس روحانی علاج کا ہے۔ قرآن و حدیث کی دعائیں باطنی اور ظاہری امراض کے لیے اسی وقت مفید ہو سکتی ہیں جب ان کے اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد بھی مریض میں موجود ہو اور پرہیز اور احتیاط کے ان تمام تقاضوں کو بھی وہ پورا کرے جو اس راہ میں ناگزیر ہیں۔

قبولیت دعا کے شرائط

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان کامل' قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرۃ: ۱۸۶)

اور (اے پیغمبر) جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے دریافت کریں تو (ان کو سمجھا دو کہ) میں ان کے قریب ہوں میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے تو چاہئے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

۲۔ داعی کا دل اخلاص' انابت' حضورِ قلب اور سوزِ یقین سے معمور ہو۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (الاعراف: ۲۹)

عبادت کو اسی کے لیے خاص کرتے ہوئے دعا کرو (دین و عبادت کو اُسی کے لیے خاص کس طرح کیا جاتا ہے؟ اس کی ایک نہایت واضح صورت جس کا عملی زندگی میں انسان کو کبھی کبھی تجربہ بھی ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرما دی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **فَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** (لقمان: ۳۲) اور جب (سمندری سفر کے دوران طوفانی) موج ان کو سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے اس وقت یہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ دین و عبادت اسی کے لیے خاص کرتے ہوئے یعنی اس وقت جب یہ لوگ سمندر کی طوفانی موجوں میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں اور موت ان کے سامنے نظر آ رہی ہوتی ہے تو اس وقت صرف خدا کو پکارتے ہیں کامل رجوع اور حضوریِ قلب کے ساتھ پکارتے ہیں۔ اس وقت کوئی دوسرا ان کے کام نہیں آ سکتا۔ کوئی انسانی کوشش کوئی زندہ یا مردہ بزرگ اور کوئی دنیوی سہارا نہیں بچا نہیں سکتا لہٰذا اس وقت اللہ تعالیٰ ہی کو قادر مطلق سمجھتے ہوئے اور اپنے نفع و نقصان اور زندگی موت کا تنہا مالک جان کر جس طرح انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑتا ہے اور ماسوا سے بالکلیہ کٹ جاتا ہے اس فکر و احساس کو اللہ تعالیٰ اِخلاص لہٗ الدین کے الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں۔)

حدیث میں ہے:۔

ادعوا اللہ و انتم موقنون بالاجابۃ و اعلموا ان اللہ لا

يستجيب دعاءً من قلبٍ غافلٍ لاهٍ (جامع ترمذی۔ مشکوٰۃ :ص ۱۹۸ ۔)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے اس سے دعا کرو اور یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ غافل بے پروا دل کی دعا کو شرف قبولیت نہیں بخشتا۔

۳۔ کسب حلال کا اہتمام کیا جائے' حرام کمائی کے ساتھ دعا بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوتی حدیث میں ہے:

يطيل السفر اشعث اغبر يمد يديه الى السماء يا رب يا رب و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غذى بالحرام فانى يستجاب لذلك (مشکوٰۃ : صحیح مسلم :ص ۲۴۱)

انسان دور دراز مقام کا سفر کرتا ہے پراگندہ حال غبار آلود صورت میں اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہتا ہے اے رب! اے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے' پینا حرام ہے لباس حرام ہے اور اس کے گوشت پوست کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہے تو ایسی حالت میں دعا کیسے قبول ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو کسب حلال کا حکم دیا ہے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (المومنون : ۵۱)

اے رسولو! پاکیزہ رزق کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (البقرۃ : ۱۷۲)

اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں پاکیزہ رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ۔

۴۔ کبائر سے پرہیز' مثلاً مکر و فریب' غیبت' چغلی' حسد' تکبر' کینہ سے اپنے نفس کو پاک رکھے' اس قسم کے روحانی اور اخلاقی امراض کے ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے کہ دعا بارگاہ خداوندی میں پہنچنے کے لیے بلند مدارج طے کر سکے جیسا کہ ارشاد ہے۔

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (فاطر: ۱۰)

اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک اعمال کے ذریعے بلند مدارج طے کرتے ہیں۔

یعنی عمل صالح کے ذریعہ پاک کلمات خدا کے ہاں مقبولیت کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں اسی بناء پر نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے جیسا کہ غار والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین شخص کہیں جاتے ہوئے بادوباراں کے طوفان میں گھر گئے انہوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ اتفاق سے ایک چٹان لڑھک کر غار کے دہانے پر گر پڑی۔ اور باہر نکلنے کا راستہ بند ہو گیا۔ اس موقع پر ہر ایک نے اپنی دعا میں اپنے سابقہ اعمال کو پیش کر کے اس قید سے نجات حاصل کی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ صحیح بخاری مشکوٰۃ : باب الرحمۃ والشفقۃ علی الخلق اس سے ثابت ہوا کہ حسنِ عمل دعا کی قبولیت کا سبب ہے اور بد عملی اس کی راہ کو بڑی رکاوٹ۔

دعا کے لیے باطنی اور ظاہری آداب

قرآن مجید میں دعا کے آداب کی طرف مندرجہ ذیل آیت میں رہنمائی کی گئی ہے۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (الاعراف : ۵۶)

اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے پوشیدہ پکارو بلاشبہ وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زمین میں اصلاح کے بعد فساد برپا مت کرو اور اسے خوف و طمع (دونوں قسم کے ملے جلے جذبات) کے ساتھ پکارو بیشک اللہ کی رحمت محسنوں سے قریب ہے۔

اس آیت میں صراحۃ اور اشارۃ دعا کے چھ آداب بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ دعا کے وقت تضرع' خشوع اور عاجزی و انکساری انسان کی ہر ہر حرکت اور ادا سے نمایاں ہو' اس کا دل اپنے رب کی عظمت و جلال سے پوری طرح بھرپور رہو۔

۲- اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی توقع اور اس کے عذاب کے اندیشے سے مل جلے جذبات دل میں امید و بیم کی ایک اضطرابی کیفیت پیدا کیے ہوئے ہوں۔

اسی خصوصیت کو دوسری آیات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ (الانبیاء : ۹۰)

بیشک وہ (انبیاء کرام) نیکیوں میں سبقت کرتے تھے اور ہم کو رغبت و خوف کے ساتھ پکارتے تھے، اور وہ ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا (السجدۃ : ۱٦)

ان کے پہلو خواب گاہوں سے الگ ہو جاتے ہیں - وہ ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

قرآن مجید میں مومنینِ صالحین کی صفات میں خوف اور طمع دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے کیونکہ ان دونوں کی یکجائی ہی سے انسان میں توازن اور اعتدال پیدا ہو سکتا ہے اگر انسان کے سامنے صرف اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور فضل و کرم ہی کا تصور ہو تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ سراپا اُمید بن کر گناہوں پر دلیر نہ ہو جائے اور اگر عذاب ہی کا نقشہ پیش نظر رہے تو مایوسی اور قوت عمل کے تعطل کا قوی اندیشہ ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس حقیقت کو ایک لطیف مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

"یوں سمجھنا چاہئے کہ اس دنیا کے سفر میں خوف بمنزلہ کوڑے اور تازیانے کے ہے اور امید حُدی خوانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے سفر کی مشقتیں باآسانی برداشت ہو سکتی ہیں محبت رہنما کے درجہ میں ہے جو سواری کی نکیل تھامے ہوئے ہے۔ اگر سوار کے پاس سواری کو قابو میں رکھنے کے لیے کوڑا نہ ہو تو سیدھی راہ سے ہٹ جانے اور پگڈنڈیوں میں بھٹک جانے کا قوی امکان ہے اس خوف کے تازیانے کے بغیر حدودِ الٰہیہ کی حفاظت ناممکن اور گمراہی یقینی ہے۔ خوف و رجاء اور محبت سے جو دل بھی خالی ہو گا اس کی اصلاح کی کبھی بھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اور جس قدر یہ صفات کمزور ہوں گی اسی لحاظ سے ایمان میں بھی ضعف نمایاں ہو گا۔" (بدائع الفوائد : ص ۱۵ ج ۳)

۳- دعا میں جہاں تک ہو سکے - اخفاء سے کام لیا جائے۔ یعنی خاموشی اور آہستگی سے اپنے رب کے حضور سرگوشی اور مناجات کی جائے۔ دعا کا اصل ادب یہی ہے اِلّا یہ کہ کسی موقع پر خود شارع ہی نے بلند آواز سے دعا کرنے کا حکم دیا ہو۔

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ سری اور جہری دعا کے درمیان سترگنا فرق ہے۔ (بدائع الفوائد : ص ۹۰ ج ۳)

حضرت زکریا علیہ السلام کی سری دعا کو اللہ تعالیٰ نے مقام مدح میں ذکر فرمایا ہے۔

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا (مریم : ۳)

جب اس نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر چپ چپاتے پکارا۔

سری دعا کے فوائد و منافع بجائے خود نہایت اہم اور اثر انگیز ہیں۔

الف- دعا کا یہ طریقہ ایمان اور یقین کی پختگی کا پتہ دیتا ہے کیونکہ داعی یہ ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سرگوشیوں کو بھی سنتا ہے۔ اس کا حال اس شخص کا سا نہیں ہوتا جو یہ خیال کرتا ہے کہ اگر ہم بلند آواز سے دعا کریں تو اللہ تعالیٰ سنتا ہے ورنہ نہیں۔

ب- ادب و تعظیم کے لحاظ سے بھی یہی طریقہ موزوں ہے۔ دنیا میں بادشاہوں اور حاکموں کے درباروں میں گفتگو کرتے ہوئے ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرنا گستاخی اور خلاف ادب قرار دیا جاتا ہے۔ پھر وہ خدا جو ہلکی سے ہلکی آواز بھی سن لیتا ہے اس کے حضور میں تو سری دعا اور زیادہ مناسب ہے۔

ج- یہ صورت خشوع و خضوع اور گریہ زاری کے لحاظ سے بھی زیادہ موزوں ہے۔ یہ ادا دعا کی روح اور مغز ہے۔ ایسے موقع پر دعا کرنے والے کا حال اس عاجز و مسکین کا سا ہوتا ہے

مسئلۂ کشمیر

اِن کو دھمکانا حماقت یا جنوں
جنکا ہو ایمان لَا یَسْتَقْدِمُوْن

وہ ڈریں گے موت سے جو دمبدم
کہتے ہیں اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن

ہو رہے ہیں جو اکتشافات آجکل
ہیں لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْن

جو خدائے واحد و قہار سے
ہوتے ہیں مُنکِر فَہُم لَا یَعْقِلُوْن

اُڑ رہے ہیں جو مہ و مریخ تک
ہیں وہ سب بھی زیرِ لَا یَسْتَاْخِرُوْن

جنگ بندی بہر استصواب تھی
ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْن

جزوِ لاینفک ہوا کشمیر اب
بھائی بنیا وا! اَنْتُمْ مُعْرِضُوْن

قول کشمیری ہمارے ساتھ ہیں
ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْن

بھیڑیو! کشمیریوں پر یہ ستم
کافرو! لَا رَیْبَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْن

تم مسلمانوں کو سمجھے تھے ضعیف
ہے قوی حق لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْن

ہاں مسلسل جہد پاکستانیو!
ہے خدا شَاهِدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْن

منہ دکھانا ہے رسول اللہ کو
ہے خدا ناظر اِلَیْهِ تُحْشَرُوْن

کون ہو سکتا ہے تم سے ہم نبرد
اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ تَعْلَمُوْن

ہیں شہیدانِ راہِ حق خلد میں
ہے نہ اُنکو خوف لَا هُمْ يَحْزَنُوْن

(مرزا ہادی بیگ)

جس کا دل ٹوٹ چکا ہے۔ اعضا ڈھیلے پڑ چکے ہیں، آواز پست ہو گئی ہے۔ یہاں تک کہ عاجزی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ زبان کو گویائی کی تاب نہیں ہے۔ اب حال یہ ہے کہ دل آہ و زاری کے ساتھ دعا و مناجات میں مشغول ہے اور زبان انتہائی عاجزی اور مسکینی کی بناء پر خاموش ہے۔ یہ رقت انگیز منظر آواز بلند کرنے کی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتا۔

د۔ اس شکل میں ریا کاری اور نمائش پسندی کے بجائے اخلاص کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

ہ۔ پوری یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ بندہ اپنے رب سے راز و نیاز کا موقع پاتا ہے۔ بلند آوازی سے یکسوئی اور جمعیت خاطر پراگندہ ہو جاتی ہے۔ جس قدر آواز پست ہو گی اسی قدر خدا سے لگاؤ اور تعلق میں اضافہ ہو گا۔

و۔ پست آوازی میں ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے، گویا وہ اس طرح سرگوشی کر رہا ہے جس طرح ایک قریبی دوست اپنے دوست سے کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کی سری دعا کی مدح فرمائی ہے۔

بندہ جس قدر حضورِ قلب کے ساتھ خدا کو پکارے گا۔ اسی لحاظ سے اس کو اپنے رب کا قرب حاصل ہو گا اور جب یہ تصور دل میں جم جائے گا کہ وہ ہر قریب سے بھی زیادہ قریب ہے تو نہایت رازداری سے اپنی درخواست اس کی بارگاہ میں پیش کرے گا۔ ایسے موقع پر بلند آوازی پسندیدہ نہ ہو گی۔ ظاہر ہے کہ اگر ہم نشین ساتھی آہستہ گفتگو سن لیتا ہے تو ایسی صورت میں بلند آواز سے چیخنا چلانا عام طور پر معیوب ہی سمجھا جائے گا۔

اس امر کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ صحابہؓ نے ایک سفر میں بلند آواز سے تکبیریں کہنا شروع کر دی تھیں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اپنے اوپر رحم کرو۔

تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ تم ایسی ہستی کو پکار رہے ہو جو سننے والی اور تم سے انتہائی قریب ہے جتنی سواری کی گردن تم سے قریب ہے اس سے کہیں زیادہ وہ تم سے قریب ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے **وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ** (البقرہ: ۱۸۶)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ہمارا خدا ہم سے قریب ہے کہ اس سے سرگوشی کریں یا دور ہے کہ زور سے اور بلند آوازی سے پکاریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مندرجہ بالا سوال و جواب سے یہ واضح ہوا کہ سری دعا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسند ہے۔

(ز) سری دعا کی شکل میں سوال و طلب کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہ سکتا ہے نہ زبان تھکتی ہے اور نہ اعضاء پر بوجھ پڑتا ہے جہر (بلند آوازی) کی صورت میں زبان اور اعضا جلد ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

ح۔ خدا کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی طرف کامل یکسوئی اور پوری توجہ کے مواقع حاصل کر سکے۔ اس نعمت سے بڑھ کر دوسری نعمت اور کیا ہو سکتی ہے۔

یہ بھی واضح ہے کہ کوئی نعمت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی حاسدوں کی نگاہ سے نہیں بچ سکتی پھر اس نعمت اعلیٰ پر حاسدوں کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ ایسی صورت میں حاسد کی شرر بار نگاہوں سے بچنے کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ اس نعمت کو پوشیدہ رکھا جائے۔ اس کا چرچا نہ کیا جائے۔

اسی بنا پر یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام سے فرمایا تھا۔

لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاکَ عَلٰٓی اِخْوَتِکَ فَیَکِیْدُوْا لَکَ کَیْدًا (یوسف: ۵)

اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا ورنہ تیرے خلاف وہ کوئی چال چلیں گے۔

کتنے ہی ایسے صاحب دل پارسا گذرے ہیں جو اپنی اس نعمت کو ظاہر کر کے اطمینانِ قلب کی نعمت سے محروم ہو گئے۔

اسی لیے اس راہ کے سالک کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق اور مناجات کے نتیجے میں جو احوال و کیفیات محسوس ہوں ان کو پوشیدہ ہی رکھا جائے خصوصاً اس راہ کے مبتدی کے لیے تو یہ پابندی نہایت ہی ضروری ہے۔ ہاں جن لوگوں میں یہ ربانی کیفیات اور روحانی احوال پوری طرح راسخ ہو جائیں اور ان کو تیز و تند ہواؤں سے اس پاکیزہ درخت کی مضبوط جڑوں کے اکھڑنے کا اندیشہ نہ رہے تو پھر عوام کی اتباع اور پیروی کے لیے اس حالت کے ظاہر کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دعا طلب ' ثنا' محبت ' انابت اور توجہ الی اللہ جیسے عظیم القدر خزانوں پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے اخفا کا پہلو ہی زیادہ غالب رہنا چاہیئے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ دعا اور ذکر دونوں ایک دوسرے میں شامل ہیں اور ذکر کے آداب میں واضح طور پر ارشاد ربانی یہ ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (الاعراف: ۲۰۵)

یعنی اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑا کر اور ڈر کر بغیر آواز بلند کیے یاد کرو۔

۴۔ دعا کا چوتھا ادب یہ ہے کہ دعا مانگنے میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ ادب قرآن کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے ا **اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ** اس اعتداء (حد سے بڑھنے) کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

الف۔ دعا میں ایسی چیزیں طلب کرنا جن کا داعی اہل نہیں ہے۔ مثلاً انبیاء کرام کے درجات و مراتب مانگنا۔

ب۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو کہتے ہوئے سنا اے خدا میں تجھ سے جنت کے دائیں جانب سفید محل کا طالب ہوں۔ عبد اللہؓ نے فرمایا اے بچے! بس اللہ تعالیٰ سے جنت طلب کرو اور جہنم سے پناہ مانگو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہارت اور دعاءمیں حد سے بڑھ جائیں گے۔

ج۔ حرام کاموں پر نصرت کی طلب۔

د۔ اللہ تعالیٰ سے ایسی آروز کرنا جو وہ پوری نہیں کرتا۔ مثلاً قیامت تک کی زندگی یا بشری ضروریات جیسے کھانے پینے سے بے نیازی حاصل ہو جانا یا یہ سوال کہ بلا شادی بیاہ کے اولاد حاصل ہو جائے۔ اس قسم کے تمام سوالات جو اللہ تعالیٰ کی حکمت' شریعت اور اس کے بنائے ہوئے قوانین فطرت کے خلاف ہوں۔ اعتداء (حد سے بڑھنے) میں شمار ہوں گے۔

ہ۔ ابن جریجؒ کا قول ہے کہ چلّا چلّا کر دعا کرنا بھی اعتداء میں داخل ہے۔

و۔ سب سے بڑا اور خطرناک "اعتداء" یہ ہے کہ بندہ دعاو عبادت میں غیر خدا کو بھی شریک کرلے اور ان سے اسی طرح مدد طلب کرے جس طرح خدا سے طلب کی جاتی ہے۔

ز۔ دعا میں تضرع اور عاجزی کے بجائے بے پروائی یا شانِ تغافل کا اظہار کیا جائے۔ظاہر ہے کہ اس طرح باب اجابت و قبولیت نہیں کھلتا بلکہ انسان رحمتِ خداوندی سے دور تر ہوتا جاتا ہے۔

ح۔ دعا یا عبادت میں ایسے طریقے اختیار کرنا جو شریعت سے ثابت نہیں ہیں۔

ط۔ دعا میں بہ تکلف سجع (قافیہ بندی) کا اہتمام بھی اعتداء ہی کی ایک شکل ہے۔ ہاں اگر بلا تکلف موزوں کلمات زبان پر جاری ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا **انظر السجع من الدعاء فاجتنبه** (صحیح بخاری۔ مستدرک حاکم۔ احیاء العلوم امام غزالیؒ ص ۳۱۴ ج)

دعا میں قافیہ بندی سے پرہیز کرو۔ صحابہ کرام کا یہ طرز عمل نہ تھا۔

۵۔ مذکورہ بالا آیات میں ذکر و دعا کے آداب جتلاتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:

لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الاعراف: ۸۵)

زمین میں اصلاح اور درستگی کے بعد فساد اور بگاڑ نہ پیدا نہ کرو۔

آیت کے سیاق و سباق سے یہ لطیف اشارہ نکلتا ہے کہ مُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ کی دعا بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتی۔ فَسَادٌ فِی الْاَرْضِ اللہ اور اسے کے رسول کی نافرمانی اور غیر اللہ کی طرف دعوت اس راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اس کے ہوتے ہوئے نہ دعا و مناجات میں لطف و سکون حاصل ہو سکتا ہے اور نہ حق تعالیٰ کے فضل وکرم ہی سے انسان ہم کنار ہو سکتا ہے۔

۶۔ آداب دعا بتلاتے ہوئے آخر میں بھی یہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الاعراف: ۵۶)

بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت صاحب احسان افراد سے بہت ہی قریب ہے۔

احسان کی تعریف حدیث میں اس طرح آتی ہے۔

ان تعبد اللہ کَاَنَّکَ تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ: ص ۱۱)

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

دعا کے وقت اگر احسان کی یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو رب العالمین سے سرگوشی کی حقیقی لذت حاصل نہیں ہو سکتی دعا کا لطف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی عظمت، خوف، محبت اور ہیبت و جلال دل پر چھا جائے اور ایسا محسوس ہو کہ بندہ اپنے رب کے حضور آمنے سامنے ہو کر عرض معروض کر رہا ہے۔

لیکن یہ صفتِ احسان اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب انسان اخلاص اور اتباع شریعت دونوں کو اپنی زندگی کے ہر عمل میں جاری و ساری کرے۔

۷۔ ان اوقات و احوال میں دعا مانگنے کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے جن میں دعا کے مقبول ہونے کی تصریح احادیث میں مذکور ہے۔ ان احوال و اوقات کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہو گی۔ انشاء اللہ۔

۸۔ دل میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ دعا کرتے کرتے تھک گیا ہوں لیکن دعا ہے کہ کسی طرح قبول ہونے ہی میں نہیں آتی اس قسم کے گلے، شکوے کی پرچھائیں بھی دل پر نہیں پڑنی چاہئیں۔

حدیث میں ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یستجاب لاحدکم ما لم یعجل فیقول قد دعوت فلم یستجب (صحیح مسلم مشکوٰۃ: ص ۱۹۴)

تم میں سے کسی کی دعا اس وقت تک قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ جلد باز سے کام نہ لے۔ (جلد بازی یہ ہے کہ) دعا کرنے والا کہتا ہے میں نے دعا کی لیکن وہ قبول ہی نہیں ہوئی۔

ایک دوسری روایت میں دعا کی قبولیت کے اثرات تین قسم کے بتلائے گئے ہیں۔

ما من مسلم یدعو ابدعوۃ لیس فیھا اثم ولا قطیعۃ رحم الا اعطاہ اللہ بھا احدی ثلث اما ان یعجل لہ دعوتہ واما ان یدخرھا فی الاخرۃ واما ان یصرف عنہ من السوء مثلھا قالو اذا نکثر قال اللہ اکثر (مسند احمد۔ مشکوٰۃ: ص ۱۹۶)

مسلمان کی دعا بلحاظ قبولیت تین حال سے خالی نہیں ہے۔ بشرطیکہ دعا میں کوئی ایسی چیز نہ طلب کی جائے جو گناہ یا قطع رحمی کی موجب ہو۔ (۱) اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں بندے کو وہ کچھ عنایت فرما دیتا ہے جس کا وہ آرزو مند ہوتا ہے۔ (۲) دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا دیتا ہے (۳) مطلوبہ بھلائی کے ہم پلہ کسی برائی یا تکلیف کو اس سے دور کر دیتا ہے اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا تب تو ہم خوب کثرت سے دعا کریں گے آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کون سی کمی ہے اس کا فضل و کرم بھی بے شمار ہے۔

۹۔ فراخی ہو یا تنگی ہر حال میں اپنے رب سے دعا اور طلب

کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے یہ انتہائی خود غرضی کی نشانی ہے کہ مصیبت اور پریشان حالی میں تو خدا کو پکارا جائے لیکن جب آرام ' راحت اور خوش حالی حاصل ہو جائے تو خدا کو بھول کر دنیا کی آسائشوں اور تفریحات میں انسان گم ہو جائے۔ یہ کردار تو قرآن نے کفارو مشرکین کا بیان کیا ہے۔ **وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ (الزمر: ۸)**

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہو کر اس کو پکارتا ہے پھر جب خدا اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو جس (غرض) کے لیے اس نے پہلے (خدا کو) پکارا تھا' اس کو بھلا دیتا ہے۔

اسی بناء پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

من سرہ ان یستجیب اللہ لہ عند الشدائد فلیکثر الدعاء فی الرخاء (جامع ترمذی۔ مشکوٰۃ: ص ۱۹۵)

جس شخص کو یہ بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ شدائدو مصائب میں اللہ تعالیٰ اس کی دعا اور فریاد سنے تو اسے چاہئے کہ راحت اور فارغ البالی کے زمانہ میں بھی خدا کو خوب یاد رکھے اور اس سے دعا مانگنے میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔

۱۰- دعا کے وقت اپنی حاجت و ضرورت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے سے پہلے حمد وثنا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا اہتمام ضروری ہے دعا سے قبل دو رکعت نفل نماز کی ادائیگی بھی مسنون ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

من کانت لہ حاجۃ الی اللہ تعالیٰ او الی احد من بنی آدم فلیتوضا و لیحسن وضوئہ ثم لیصل رکعتین ثم یثن علی اللہ عزوجل و یصل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی۔ مستدرک حاکم مشکوٰۃ: ص ۸۶)

جس کسی شخص کو اللہ تعالیٰ یا کسی انسان سے ضرورت و حاجت پورا کرانے کا معاملہ در پیش ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے وضو کر کے دو عدد رکعت نماز پڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بجا لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجے (اس کے بعد اپنی ضرورت خدا کے حضور عرض کرے) (مشکوٰۃ: میں نفل کا ذکر نہیں)

۱۱- دعا کرتے وقت جزم و یقین کا پہلو غالب ہونا چاہئے یعنی بندے کو یہ اعتماد ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عرض معروض ضرور سنے گا۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا یقل احدکم اذا دعا اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت لیعزم المسئلۃ فانہ لا مکرہ لہ (صحیح بخاری صحیح مسلم مشکوٰۃ: ص ۱۹۴)

دعا کرتے وقت تم میں سے کسی کو یہ نہیں کہنا چاہئے اے اللہ بخش اگر تو چاہے رحم فرما اگر تیری مرضی ہو بلکہ سوال کا انداز عزم و یقین لیے ہوئے ہونا چاہیے۔ کیونکہ خدا کو مجبور نہیں جا سکتا۔

ان شئت کہنے میں بظاہر بندے کی طرف سے شانِ بے نیازی کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے الفاظ سے پرہیز ہی ضروی ہے۔

۱۲- خدا کی رحمت کشادہ ہے اس کو تنگ کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے ایک بدو کہہ رہا تھا:

اللھم ارحمنی و محمدا و لا ترحم منا احداً (صحیح بخاری)

اے اللہ مجھ پر رحم فرما اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ہمارے علاوہ کسی پر رحم نہ فرما۔

آپؐ نے یہ سن کر فرمایا:

لقد تحجرت واسعًا

تو نے تو خدا کی کشادہ رحمت کو تنگ کر دیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص امام ہے۔ وہ دعا کرتے وقت مقتدیوں کو نظرانداز کر کے محض اپنا ہی خیال رکھتا ہے تو یہ طرز عمل بھی خیانت کے ہم معنی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد

مسلم افغانستان کا قیام اور عالمِ اسلام کی بیداری

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہادِ افغانستان کی برکت سے سوویت یونین کا وجود آزاد جمہوریاؤں میں تبدیل ہونے کے بعد مسلم افغانستان کے بارے میں اقوامِ عالم کی دلچسپی برائے نام رہ گئی ہے۔ امریکی سرکار یہ سوچ رہی ہے کہ اقوامِ عالم "تہہ بال و پر ماست" اور وہ نئے ورلڈ آرڈر کے تحت دنیا کو امریکی مفاد کے سانچوں میں ڈھالنے کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مصروف ہے۔ دوسری طرف عالمِ اسلام نفاق کا شکار ہے، نہ واضح مقصد نہ متعین منزل۔

بے بس عالم اسلام نہ فلسطینی مہاجرین کو دلاسہ دے سکتا ہے نہ مسلم افغانستان کے حل کے بارے میں اسلامی مؤقف کا اعلان کر سکتا ہے اور نہ کشمیریوں کی مظلومیت پر بھارت کو ملامت کرنے کی جراُت کر سکتا ہے۔ ایک ذہنی ٹھہراؤ اور مایوسی کی سی کیفیت طاری ہے۔ دوسری طرف احیائے اسلام کی تحریکوں کو ناکام بنانے کے لئے بنیاد پرستی کے نام سے مخالفت کی ایسی مہم شروع کی گئی ہے کہ گویا اسلامی نظام کا مطالبہ کرنا ہی جرم ہے مغرب کے چالاک ذہن نے عالمِ اسلام کی بیداری سے خدشہ محسوس کرلیا ہے، عالمِ اسلام کے اندر پائے جانے والے مغرب کے رضاکار، اس بیداری کی راہ روکنے کے لئے سرگرم عمل ہو گئے ہیں۔

عالم اسلام اس وقت دو نظریوں اور تہذیبوں کے ٹکراؤ کے عالم میں ہے۔ مغرب کی طویل غلامی کے سبب مسلمانوں کے اندر جو دو طبقات پیدا ہوئے تھے۔ یہ ان کے درمیان بحث و مباحثہ ہے۔ ایک وہ طبقہ ہے جو اسلامی تہذیب و تمدن کو جاری و ساری دیکھنے کا متمنی ہے۔ دوسرا وہ طبقہ ہے جو مغرب کی بے لگام آزادی اور تعیشات کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی رہنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اسلام کا دعوئی کرنے کے ساتھ یہ ممکن ہی نہیں کہ مسلمان، مسلمان بھی رہے اور طاغوت کا پرستار بھی رہے۔

عالم اسلام کے عام مسلمانوں کے اذھان مغربی تہذیب سے متنفر ہیں۔ صلیب کے رویہ سے نالاں اور ان کی دوستی کے شاکی ہیں۔ مغرب کے افکار و خیالات سے عالمِ اسلام نے اب تک جو نقصانات برداشت کئے ہیں، اب اسلامی نظام کا تجربہ کرنے سے اُس دَورِ زوال کی تلافی کرنا چاہتے ہیں وہ انسانیت کو اسلام کا وہ رخ دکھانا چاہتے ہیں جو ساری خلقت کی متاعِ گم گشتہ ہے۔ دوسری طرف عالمِ اسلام کے اندر مغرب زدہ طبقہ ہے جو مغربی تہذیب و تمدن کی چکا چوند میں مغرب کی تمام برائیوں کو سینے سے لگائے اسلامی نظام سے اہل مغرب کی طرح خوف محسوس کرتا ہے اور جمہوریت کے نام پر لادینیت کا مبلغ بن کر اپنے مفادات کے لئے سرمایہ داری نظام کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

کمیونزم کے فیل ہونے کے بعد سرمایہ داری نظام دنیا کو اپنی گرفت میں لینا چاہتا ہے۔ ساہوکاروں کے اس نظام میں انسانیت کی خوشی کا کوئی پیغام موجود نہیں ہے۔ اس نظام میں کمزور اقوام کو خام مال کے طور پر کھپایا جائے گا۔ اگر غور سے مطالعہ کیا

ہے:

لا یؤمّ الرجل فیخصّ نفسہ بالدعاء دونھم فان فعل فقد خانھم (جامع ترمذی مشکوٰۃ: ص ۹۶)

۱۳- دعا میں اپنی ضرورت پیش کرنے سے پہلے اپنے گناہوں کا اعتراف بھی ضروری ہے جیسا کہ حضرت آدم نے فرمایا تھا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ۲۳)

اسی طرح مسنون دعاؤں میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔

رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا

یعنی اے رب میں نے اپنی جان پر (تیری نافرمانی کر کے) بہت ہی ظلم کیا ہے۔

۱۴- دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانا بھی مسنون ہے۔

اللہ حییٌّ کریم یستحی اذا رفع الرجل یدیہ ان یردّھما صفرا خائبین

اللہ تعالیٰ فضل و کرم اور حیاء و شرم والا ہے جب کوئی اس کی بارگاہ میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے تو اسے خالی ہاتھ واپس لوٹانے میں شرم آتی ہے۔

دعا کے بعد دونوں ہاتھوں کا چہرے پر پھیر لینا بھی مسنون ہے۔

۱۵- جب انسان غصہ کی حالت میں ہو یا بول و براز کی حاجت محسوس کر رہا ہو تو ایسے میں دعا کرتے وقت دلجمعی حاصل نہیں ہو سکتی اس لیے اس قسم کے حالات سے پاک صاف اور بالاتر ہو کر دعا میں مشغول ہونا چاہیے۔

۱۶- دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے:

لینتھین اقوام عن رفع ابصارھم الی السماء عند الدعاء او لتخطفن ابصارھم (صحیح مسلم مشکوٰۃ ص: ۹۰)

لوگ اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آ جائیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

۱۷- دعائیہ کلمات کو بار بار دہرایا جائے حدیث میں ہے۔

کان رسول اللہ علیہ وسلم اذا دعا کرر ثلاثا

آپ جب دعا فرماتے تو دعائیہ کلمات تین بار دہراتے۔

۱۸- چھوٹی چیز ہو یا بڑی خدا ہی سے مانگنے حدیث میں ہے آپ نے فرمایا:

یسئل احدکم ربہ حاجتہ کلھا حتی یسئل شسع نعلہ اذا انقطع (جامع الترمذی مشکوٰۃ: ص ۱۹۵)

تم میں سے ہر ایک اپنی تمام حاجتیں اپنے رب ہی سے طلب کرے یہاں تک کہ اگر چپل کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اسی سے مانگے۔

۱۹- دعا کے خاتمہ پر آمین کہنا بھی مسنون ہے حدیث میں ہے آپ فرمایا:

او جب ان ختم بآمین (سنن ابی داؤد مشکوٰۃ: ص ۸۰)

(آپ نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اگر اس نے دعا کو آمین کے ساتھ ختم کیا تو لازماً اس نے اپنا مدعا حاصل کر لیا۔

اوقاتِ دعا

یوں تو اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر آن اپنے بندوں کی فریاد سنتا اور ان کی دعا قبول فرماتا ہے لیکن کچھ خاص ایسے اوقات ہیں جن میں دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں اور اپنا اثر دکھاتی ہیں۔

۱- سب سے اچھا اور مقبول ترین وقت رات کا پچھلا حصہ ہے۔ اس کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ و اقوم قیلا (المزمل: ٦)

بلا شبہ رات کا اٹھنا (نفس کو) کچلنے اور (رب تعالے سے) گفتگو اور سرگوشی کے لیے بہت ہی زیادہ موزوں ہے۔

ایسے سناٹے کے وقت میں میٹھی نیند اور نرم و گرم بستر چھوڑ کر اپنے رب سے مناجات کے لیے اٹھنا انتہائی سعادت اور خوش نصیبی کی نشانی ہے۔

حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ینزل ربنا کل لیلۃ الی السماء الدنیا حتی یبقی ثلث اللیل

الآخر فیقول من یدعونی فاستجیب له من یسئلنی فاعطیه من یستغفرنی فاغفر له
(صحیح بخاری صحیح مسلم ترمذی مشکوٰۃ: ص ۱۰۹)

اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے یہاں تک کہ جب رات کا پچھلا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو فرماتا ہے کون مجھے پکارتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں عطا کروں، کون مجھ سے مغفرت چاہتا ہے کہ میں اسے معاف کر دوں۔

۲- جمعہ کی شب میں بھی ایک ایسی ساعت ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔

۳- جمعہ کے دن میں بھی ایک ساعت ایسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ: ص ۱۱۹) بعض روایات میں متعین طور پر عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت بتلایا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ: ۱۲۰)

۴- شبِ قدر، قرآن و حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

۵- اذان کے وقت،

۶- اقامت کے وقت،

۷- اور اذان و اقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

ثنتان لا تردان الدعاء عند النداء و الباس (سنن ابی داوٗد مشکوٰۃ: ص ۶۶)

دو چیزیں رد نہیں کی جاتیں۔ دعا اذان اور جہاد کے وقت۔

۸- جہاد فی سبیل اللہ میں صف بندی کے وقت دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں عند الباس کے لفظ سے ظاہر ہے۔

۹- فرض نمازوں کے بعد بھی دعا کی مقبولیت کا وقت ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی دعا کرنے میں امام کی اتباع کریں۔ اسی طرح سلام پھیرنے کے فوراً بعد بغیر اذکار مسنونہ پڑھے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی سنت سے ثابت نہیں ہے۔

۱۰- سجدے کی حالت میں بھی دعا قبول ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

اقرب مایکون العبد من ربه و هو ساجد فاکثروا الدعاء
(صحیح مسلم مشکوٰۃ: ص ۸۴)

یعنی سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب سے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے تو ایسی حالت میں خوب دعا مانگا کرو۔

تلاوت قرآن یا ختم قرآن مجید کے موقع پر بھی دعا قبول ہوتی حدیث میں ہے۔

من قرء القرآن فلیسئل اللہ به فانه سیجیء اقوام یقرا ون القران یسئلون به الناس (جامع ترمذی مشکوٰۃ: ص ۲۲۹)

جو قرآن پڑھے، اسے قرآن کے واسطے سے اپنے رب سے مانگنا چاہئے۔ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گے۔

۱۲- عرفہ کے دن دعا قبول ہوتی ہے حدیث میں ہے خیر الدعاء یوم عرفه۔

۱۳- ماہ رمضان میں خصوصاً افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے تین قسم کے لوگ ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی - ان میں سے ایک روزہ دار ہے جو افطار کے وقت اپنے رب کے حضور دعا کرتا ہے۔

۱۴- بارش کے وقت بارش میں کھڑے ہو کر دعا مانگی جائے تو قبول ہوتی ہے۔ (سنن ابی داوٗد مشکوٰۃ: ۶۶)

۱۵- ذکر الٰہی کے لیے مسلمان جمع ہوں تو یہ وقت بھی قبولیت دعا کے لیے ساز گار ہے۔ (نزل الابرار)

دعا کے مقامات

یہ مقامات زیادہ تر وہ ہیں جن کا تعلق مناسکِ حج سے ہے۔

۱- بیت اللہ شریف یعنی اس کے قریب یا اس کے اندر۔

۲- مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳- بیت المقدس -
۴- رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ملتزم پر دعا ہوتی ہے- (طبرانی)
۵- صفاء و مروہ پر-
۶- جہاں سعی کی جاتی ہے-
۷- میدان عرفات میں -
۸- مزولفہ میں-
۹- تینوں جمرات کے پاس
۱۰- منیٰ میں-
۱۱- میزاب کے نیچے-
۱۲- مقام ابراہیم کے پیچھے-

مستجابُ الدعوات افراد

مندرجہ ذیل افراد کی دعا اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے-
۱- مظلوم و مضطر، یعنی مظلوم اور بے قرار پریشان حال بندے کی دعا اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے -
اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ (النمل : ۶۲)
کیا ہے کوئی جو بے قرار کی فریاد سنے جب کہ وہ اسے پکارے اور ہے کوئی جو اس کی تکلیف کو دور کردے-
یعنی یہ خصوصیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے-
۲- باپ کی دعا بیٹے کی بارے میں-
۳- مسافر، حدیث میں ہے : **ثلاثۃ یستجاب الوالد المسافر المظلوم** (جامع ترمذی : ص : ۱۹۵)
۴- نیک اولاد کی دعا ماں باپ کے حق میں (بزار)
۵- روزے دار کی دعا-
۶- انصاف پسند حاکم کی دعا (ابن حبان ابن خزیمہ)
۷- مسلمان کی دعا اپنے غیر حاضر مسلمان بھائی کے حق میں- (ترمذی)

۸- گناہ سے توبہ کرنے والے کی دعا-
۹- آیت کریمہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ** پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے-
لم یدع بها رجل مسلم فی شئی قط الا استجیب له
یہ آیت کریمہ جو مسلمان بھی پڑھے گا- اس کی دعا قبول ہو گی-
۱۰- حاجی جب تک سفر میں ہوتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے (حصن حصین)
۱۱- رات کو جاگنے والا اگر **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** پڑھ کر دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہو گی- (صحیح بخاری، جامع ترمذی مشکوۃ : ص ۱۰۸)

دعا کے اثرات و ثمرات

دعا اگر بارگاہ الہٰی میں قبول ہو جائے تو اس سے بڑھ کر سعادت اور خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے یہ تو بڑا ہی اعلیٰ مقام ہے - دعا بظاہر اگر قبول نہ بھی ہو تب بھی اپنے رب سے اس بہانے مناجات اور سرگوشی کی جو نعمت حاصل ہو جاتی ہے وہ کیا کچھ کم سعادت ہے-
پھر اس دعا کے نتیجے میں مومن بندے کو تسکینِ روح اور اطمینانِ قلب کی جو دولت حاصل ہوتی ہے اس کی برکتوں کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے-
اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: ۲۸)
سنو! اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دل اطمینان و سکون سے ہمکنار ہوتے ہیں-
یہ وہ دولت ہے جس کے لیے بھرپور خزانوں والے سرمایہ دار اور وسیع اختیارات رکھنے والے اربابِ اقتدار بھی ترستے

باقی صفحہ ۱۰ پر

اِسلام کے مُعاشی نظام کا اهم ستون

زکوٰۃ اور اسکے احکام و مسائل

ارکان اسلام کے تیسرے رکن اور اسلام کے معاشی نظام کے اہم ستون زکوٰۃ پر' اس مفصل مضمون کی پہلی قسط پچھلے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ اس کی دوسری اور آخری قسط ہے۔

عامل کی رضامندی

ارباب مال کو چاہئے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے (عاملوں) کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ ان کا خندہ پیشانی سے استقبال کریں اور وصولی زکوٰۃ کی راہ میں مشکلات پیدا نہ کریں کیونکہ عامل کو خوش و خرم لوٹانا تکمیل زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

سیاتیکم د کیب مغضو ن فا ذا جاؤکم فر حبو ھم و خلو ا بینھم و بین ما یبتغو ن فا ن عدلو ا فلا نفسھم و ا ن ظلمو فعلیھم و ا ر ضوھم فان تمام ز کو تکم رضا ھم و لیدعولکم

(ابو داؤد)

تمہارے پاس (زکوٰۃ وصول کرنے والوں کے) چھوٹے چھوٹے ناپسندیدہ قافلے آیا کریں گے جب وہ آئیں تو انہیں مرحبا اور خوش آمدید کہو اور جو کچھ وہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں تم سے طلب کریں انہیں لینے دو۔ اگر عدل کریں گے تو انہیں ثواب ہو گا اور ظلم کریں گے تو اس کی سزا پائیں گے تم ان کو راضی کیا کرو۔ ان کے خوش ہونے سے تمہاری زکوٰۃ پوری ہو گی ورنہ ادھوری رہے گی اور زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد انہیں تمہارے حق میں خیر و برکت کی دعا کرنی چاہئے۔

نیز آپ نے فرمایا:۔

اذا أتا کم المصدق فلیصدر عنکم و ھو عنکم ر اض

(مسلم شریف)

جب عامل تمہارے پاس زکوٰۃ لینے آئے تو اس سے ایسا برتاؤ کرو کہ وہ تم سے خوش ہو کر واپس جائے۔

ایک اور حدیث میں ہے:۔

عن جا بر بن عبد اللّٰہ قا ل جا ء نا س من الا عر ا ب الی ر سو ل الل ہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم فقالو ا ان نا سا من المصد قین یا تو نا فیظلمو نا فقا ل ا ر ضوامصد قیکم قا لو ا یا رسو ل اللہ و ا ن ظلمو نا قا لو ا ا ر ضو ا مصد قیکم و ا ن ظلمتم۔ (ابو داؤد)

حضرت جابربن عبد اللہ کا بیان ہے کہ دیہات کے رہنے والے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا آپؐ کے فرستادہ زکوٰۃ وصول کرنے والے(عامل) ہمارے پاس آتے ہیں وہ ہم پر ظلم کرتے ہیں اور واجب حق سے سے بڑھ کر زکوٰۃ لیتے ہیں یہ سن کر آپؐ نے فرمایا زکوٰۃ لینے والوں کو خوش کیا کرو وہ کہنے لگے یا رسول اللہ خواہ وہ ہم پر ظلم کریں آپ نے فرمایا زکوٰۃ لینے والوں کو خوش کیا کرو اگرچہ تم پر ظلم کیا جائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل قطعاً ظلم نہیں کرتے تھے اور نہ حق سے زیادہ وصول کرنے کی کوشش کرتے تھے جیسا کہ آپ اس کی ایک روشن مثال پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اور آپ کے سب ہی عمال ایسے تھے لیکن چونکہ انسان حب مال اور طبعی بخل کی وجہ سے چاہتا ہے کہ اسے یا تو سرے سے کچھ دینا ہی نہ پڑے یا کم از کم دینے سے خلاصی ہو جائے اس لئے پورا شرعی حق وصول کرنے کو بھی اپنے حق میں ظلم اور زیادتی سمجھتا ہے اور پورا پورا حق لینے والے عامل سے بلاوجہ بغض رکھتا ہے اور اسے ناپسند کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان کی شکایت کا ازالہ نہیں فرمایا اور نہ اسے قابل التفات سمجھا ہے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کے فرستادہ عامل زکوٰۃ وصول کرنے کے سلسلے میں ہرگز ہرگز زیادتی نہیں کرتے۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر کوئی عامل فی الواقع ہٹ دھرمی کرتا ہے اور حق سے زیادہ وصول کرنا چاہتا ہے تو اسے من مانی کارروائی کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔ بلکہ اسے ایسا کرنے سے روکا جائے گا اور اس کا یہ فعل حاکم اعلیٰ کے نوٹس میں لایا جائے گا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسی صورت میں حق سے زیادہ نہ دیا جائے۔

کیا ظالم عامل کے خوف سے کچھ مال چھپا لیا جائے؟

کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ عامل کے فرضی ظلم سے بچنے کے لئے اپنا کچھ مال چھپا لے۔ مثلاً ایک شخص کے پاس ۱۲۰ بکریاں ہیں۔ سال کے بعد اس میں ایک بکری زکوٰۃ دینا پڑتی ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ عامل اس سے دو بکریاں وصول کرے گا۔ اس لئے وہ عامل کے سامنے صرف ۴۰ بکریاں پیش کرتا ہے اور ۸۰ چھپا لیتا ہے۔ تاکہ اسے ایک بکری زکوٰۃ دینا پڑے۔ جو درحقیقت اس کے مال کی زکوٰۃ ہے۔ ایسا کرنا ناجائز ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:۔

عن بشیر بن الخصاصیت قال قلنا یا رسول اللّٰہ ان اصحاب الصدقتہ یعتدو ن۔ علینا افنکتم من اموالنا بقدر ما یعتدو ن قال لا۔ (رواہ ابو داؤد)

بشیر بن خصاصیہ کہتے ہیں۔ ہم نے کہا یا رسول اللہؐ! زکوٰۃ لینے والے حاکم ہم پر زیادتی کرتے ہیں اور اصلی حق سے زیادہ مانگتے ہیں (مثلاً ۱۲۰ بکریوں سے ۲ بکریاں مانگتے ہیں) اگر اجازت ہو تو جس قدر وہ زیادتی کرتے ہیں اس کے مطابق ہم اپنا مال چھپا لیں (تاکہ پوری پوری زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے اور ہم ظلم سے بھی محفوظ رہیں (جیسے ۱۲۰ سے ۸۰ بکریاں چھپا لیں) آپؐ نے فرمایا نہیں اس کی اجازت نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح مال چھپانے کو ناجائز قرار دے کر ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ بند فرما دیا۔ ورنہ اکثر لوگ عمال کی زیادتی کا بہانہ بنا کر اپنا اپنا مال چھپا لیتے اور بہت کم زکوٰۃ وصول ہو پائی اور یوں نظام زکوٰۃ کا پورا ڈھانچہ غیر مؤثر ہو کر رہ جاتا۔

رہا عوام کو ظالم عمال کی دستبرد سے بچانے کا مسئلہ تو اس کا حل یہ ہے کہ اگر عوام میں اتنا شعور ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مسائل جانتے اور سمجھتے ہیں کہ عامل واقعی ظلم کر رہا ہے اور اپنے حق سے زیادہ مانگ رہا ہے۔ تو وہ اس کو دلائل و براہین سے صحیح صحیح زکوٰۃ لینے پر مجبور کریں اور اسے حق سے زیادہ ہرگز نہ دیں۔ لیکن اگر وہ ظلم و ستم سے باز نہ آئے تو اس کا معاملہ اسلامی حاکم اعلیٰ کے روبرو پیش کریں۔

شریعت کے مطابق زکوٰۃ لینے والا عامل

جو عامل حق پر قائم رہے۔ صدقہ و زکوٰۃ کے سلسلہ میں کسی نوع کی خیانت و بددیانتی کا ارتکاب نہ کرے۔ اربابِ اموال سے واجب حق سے زیادہ وصول نہ کرے اور نہ کوتاہی سے کام لے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مجاہد و غازی کی طرح اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا ہے۔ نمازی کی طرح یہ بھی گھر سے جانے کے وقت سے واپسی تک برابر اجر و درجہ پاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

عن رافع بن خدیج قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم العامل علی الصدقۃ بالحق کالغازی فی سبیل اللّٰہ حتیٰ یرجع الیٰ بیتہ۔ (ابو داؤد)

مال مستفاد کی تعریف اور حکم

اگر کسی آدمی کو زکوٰۃ دیتے ہوئے (مثلاً) نصف سال گزر چکا ہے پھر اسے ورثہ یا ہبہ کی صورت میں کچھ اور مال مل جاتا ہے یا وہ نیا مال خرید لیتا ہے تو اس کو مال مستفاد کہتے ہیں۔ جب ایک آدمی کے پاس ۸۰ بکریاں ہیں زکوٰۃ دینے کے چھ مہینے بعد اسے ۴۰ بکریاں ورثہ میں مل جاتی ہیں۔ تو یہ ۴۰ بکریاں مال مستفاد ہوں گی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے سال کے ساتھ ادا کی جائے یا سال پورا ہونے کے بعد؟ اس میں اختلاف ہے تفصیل آگے آ رہی ہے۔

مال مستفاد کی مختلف صورتیں

(۱) مال مستفاد پہلے مال سے حاصل ہوا ہو۔ مثلاً ۱۰۰ بکریوں کی زکوٰۃ ادا کی گئی۔ پھر اگلا سال آنے تک وہ بچے دے کر ۲۰۰ یا زیادہ ہو گئیں۔ یا تجارتی مال کی صورت میں ۱۰۰۰ روپے کی زکوٰۃ ادا کی۔ اگلا سال پورا ہونے تک نفع وغیرہ شامل ہو کر وہ ۲۰۰۰ ہو گیا۔

(۲) مال مستفاد پہلے مال کی قسم سے نہیں ہے جیسے کسی کے پاس ۱۰۰ بکریاں تھیں چھ مہینہ کے بعد اسے ۴۰ اونٹ ورثہ یا ہبہ میں مل گئے۔

(۳) مال مستفاد پہلے مال کی قسم سے ہے۔ مگر اس سے حاصل نہیں ہوا۔ جیسے کسی کے پاس پہلے ۱۰۰ بکریاں تھیں۔ سات آٹھ مہینہ کے بعد اسے اور ۱۰۰ بکریاں ورثہ یا ہبہ میں مل گئیں۔

پہلی صورت میں بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے مال کے ساتھ دی جائے گی۔ اس کے لئے علیحدہ سال کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

دوسری صورت میں سب کے نزدیک بالاتفاق مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے مال کے ساتھ نہیں دی جائے گی۔ بلکہ اس کے لئے الگ پورا سال کیا جائے گا۔ جب اس کا سال پورا ہو گا تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

تیسری صورت میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے مال کے ساتھ ادا کی جائے گی۔ اس کے لئے الگ سال اور علیحدہ حساب کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے آئمہ کرامؒ اور محدثین عظام علیہ الرحمتہ الرضوان فرماتے ہیں۔ کہ اس صورت میں الگ سال پورا ہونے کے بعد مال مسفاد کی زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔ اس کو پہلے مال میں شامل نہیں کیا جائے گا اور یہی مذہب حق اور صحیح ہے۔ حدیث پاک اس کی تائید کرتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم من استفاد مالاً فلا زکوٰۃ علیہ حتی یحول علیہ الحول۔ (ترمذی)

یعنی جس کو مال مستفاد ملے وہ سال گزرنے کے بعد اس کی زکوٰۃ دے۔

سونا چاندی یا نقدی کی زکوٰۃ

جن چار قسم کے اموال میں زکوٰۃ فرض ہے ان میں دوسری قسم سونا چاندی ہے اور اسی کے حکم میں نقدی ہے۔ ان میں زکوٰۃ کی فرضیت کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ جو اس سے انکار کرے وہ کافر ہے۔ اسے اس سے فوراً توبہ کرنی چاہئے۔ ورنہ شرعاً مستوجبِ قتل ہے اور جو انکار نہ کرے اور ادا بھی نہ کرے وہ فاسق ہے۔ اس کے متعلق قرآن اور حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ جس سے بچنا ایک سچے اور مخلص مسلمان کے لئے فرض ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم ما من صاحب ذھب و لا فضۃ لا یودی منھا حقھا الا

اذا کان یو م القیا مۃ صفحت لہ صفا ئح من نا ر فا حمی علیھا فی نا ر جھنم فیکو ی بھا جنبہ و جبینہ و ظھر ہ کلما ر دت اعیدت لہ فی یو م کا ن مقدا ر ہ خمسین الف سنتہ حتی یقضی بین العبا دفیھدی سبیلہ اما الی الجنتہ و اما الی النا ر الخ
(صحیح مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے اور چاندی کا جو مالک ان کا حق ادا نہیں کرتا قیامت کے دن اس کے لئے اس سونے اور چاندی کی چوڑی چوڑی سلاخیں بنائی جائیں گی پھر انہیں جہنم میں آگ کی طرح سرخ کیا جائے گا اور ان سے اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ پر داغ دیئے جائیں گے جب وہ سرد پڑ جائیں گی تو جہنم کی آگ میں گرم کر کے دوبارہ داغ شروع کئے جائیں گے۔ اور لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک پچاس ہزار سال کے دن میں اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا رہے گا۔ اس کے بعد اسے جنت کا راستہ دکھایا جائے گا یا جہنم کا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کی تائید اس طرح نازل فرمائی۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ۔ (توبہ ۔۳۵)

(ترجمہ) جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیدیں۔ جس دن ان کے اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغ دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا یہ وہی مال ہے جسے تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا۔ اب اپنے جمع کئے ہوئے مال کا مزا چکھو۔

ان تین اعضاء کو داغ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی سائل سوال کرتا ہے تو سب سے پہلے کراہت اور ناپسندیدگی کے آثار ان کے چہروں پر ظاہر ہوتے ہیں اپنی پیشانیوں پر شکن ڈالتے ہیں اور تیوڑی چڑھا کر سائل کو غضبناک نظر سے دیکھتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنا حق طلب کرنا چھوڑ دے، اگر سائل ہمت نہ ہارے اور دوبارہ سوال کر دے تو پہلو بدل کر دوسری جانب متوجہ ہو جاتے ہیں، اگر سائل نے پھر جرأت سے کام لیا تو پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے انعام اور فضل و کرم کی انتہائی ناسپاسی ہے۔ جس کا ارتکاب عموماً بخیل سرمایہ دار کرتے ہیں:

بخاری شریف میں ہے:۔

من اتاہ اللّٰہ مالا فلم یوءدّ زکوتہ مثل لہ مالہ یوم القیامتہ شجاعا اقرع لہ زبیتان یطوقہ یوم القیامہ ثم یاخذ بلھزمتیہ شدقیہ فیقول انا مالک انا کنزک ثم تلا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (۳:۱۸۰)

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال (سونا چاندی) دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کے مال کو ایک نہایت زہریلے ناگ کی شکل دی جائے گی اور طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ اس کے منہ پر دونوں جانب ڈنک مارے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ جسے تو جمع کر کے دنیا میں چھوڑ آیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کرنے والی قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی "جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے حق میں بدتر ہے۔ جس مال کے ساتھ انہوں نے بخل کیا ہے قیامت کے دن اسے (سانپ بنا کر) ہار کی طرح ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا"۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ سانپ سے ڈر کر بھاگے گا سانپ اس کے پیچھے دوڑے گا۔ حتیٰ کہ وہ تھک ہار کر اپنا ہاتھ اس کے منہ میں ڈال دے گا اور وہ اسے اونٹ کی طرح چباتا ہوا نگل جائیگا۔

مذکورہ بالا آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ

دینے والے بخیل کو قیامت کے دن قسم قسم کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا کبھی اس کے سیم و زر سے چوڑی چوڑی سلاخیں بنائی جائیں گی اور جہنم میں گرم کر کے اس کی پیشانی اور پیٹھ پر داغ دیئے جائیں گے۔ کبھی اس کو زہریلے سانپ کی شکل دی جائے گی۔ اور اس کے گلے میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا اور کبھی وہ اس کے آگے آگے دوڑے گا اور سانپ اس کے پیچھے پیچھے، حتیٰ کہ بخیل تھک ہار کر اپنا ہاتھ اس کے منہ میں ڈال دے گا۔ جسے وہ چبا کر نگل جائے اور پھر اس کے جسم کو کھا جائے گا۔ جیسا کہ **ثم یتبعہ سائر جسدہ** کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

غلہ کی زکوٰۃ عشر یا نصف عشر

پہلے چند مبادی ملاحظہ فرمائیے:۔

ا۔ زمین سے پیدا ہونے والے غلہ سے جو حصہ بطور زکوٰۃ ادا کیا جاتا ہے عشر کہلاتا ہے عشر کے معنی ہیں دسواں حصہ بعض حالات میں زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ واجب الادا ہوتا ہے اس لئے اس کا نام عشر رکھا گیا۔

۲۔ جو کھیتی یا باغ بارش، چشمہ یا نہر کے پانی سے سیراب ہو اور اسے تیار کرنے کے لئے کسی آلہ یا مشین سے پانی کھینچ کر دینے کی ضرورت نہ پڑے یا ایسی زمین میں بوئی جائے جس میں پانی سطح زمین کے قریب ہے اور کھیتی یا درخت اپنی جڑوں کے ذریعے پانی چوس کر نشوونما حاصل کر لیں تو ایسی کھیتی یا باغات کے پھلوں میں عشر واجب الادا ہوتا ہے۔ اور جس کھیتی یا باغ کے پکانے اور تیار کرنے میں رہٹ، مشین یا کسی دوسرے مصنوعی آلہ کے ذریعے کھینچ کر پانی دینے کی ضرورت ہو۔ اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے اس تفصیل کی وضاحت درج ذیل احادیث شریفہ میں کی گئی ہے:۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ النبی صلی اللہ علیہ و سلم فیما سقت السماء و العیون او کان عثریا العشر و ما سقی بالنضح نصف العشر رواہ البخاری و فی روایۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال فیما سقت السماء و الانہار و العیون او کان بعلا العشر و ما سقی بالسوانی و النضح نصف العشر رواہ النسائی۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ۔ عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھیتی بارش اور چشموں سے سیراب ہوئی ہو یا وہ بارانی ہو اس میں عشر (دسواں حصہ) ہے۔ اور جو زمین جانوروں کے ذریعے یا پانی کھینچ کر سیراب کی جائے۔ اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

دونوں حالتوں میں کاشتکار کی محنت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں محنت کم ہے اس لیے زکوٰۃ زیادہ ہے۔ یعنی پیداوار کا دسواں حصہ۔ دوسری صورت میں محنت زیادہ یا پانی قیمتاً خریدنا پڑتا ہے جیسے نہری علاقوں میں آبیانہ ادا کیا جاتا ہے یا اس کے حصول میں اخراجات بڑھ جاتے ہیں جیسا کہ بجلی یا انجن سے چلنے والے ٹیوب ویل میں عموماً خرچ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کم ہے۔ اسے دسویں حصہ سے گھٹا کر بیسواں حصہ کر دیا گیا ہے اگر کھیتی یا باغ کے تیار ہونے میں اول (بارش، نہر، چشمہ) اور دوسری قسم (رہٹ، ٹیوب ویل وغیرہ) کے ذرائع آب پاشی کا بحصہ مساوی دخل ہے۔ جیسے کبھی بارش ہو گئی اور کبھی رہٹ وغیرہ چلا کر پانی دینا پڑا۔ اس صورت میں زکوٰۃ دسویں حصہ میں سے تین حصے دینا ہو گی۔ مثلاً بارانی فصل میں اگر زکوٰۃ دو من ہے تو اس صورت میں ڈیڑھ من دینا پڑیگی اور اگر زیادہ تر بارش ہوتی ہے لیکن ایک آدھ دفعہ رہٹ یا ٹیوب ویل سے کھیتی سیراب ہوتی ہے مگر کبھی بارش بھی ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اکثر کا اعتبار ہو گا۔ پہلی حالت میں عشر (دسواں حصہ) اور دوسری میں نصف عشر (بیسواں حصہ) لازم ہو گا۔

امام احمدؒ، امام سفیان ثوری، امام عطا اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام ابن قدامہؒ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ان کا کوئی مخالف نہیں۔ (مرعاۃ المفاتیح صفحہ ۱۳ ر ۲) علامہ زرقانیؒ نے بھی اس پر اتفاق نقل کیا ہے (زرقانی شرح مؤطا صفحہ ۸۵۳)۔

غلہ کا نصاب:

۳- زمین کی پیداوار سے عشر نکالنے کے لئے شریعت نے نصاب مقرر کر دیا ہے- جس کی پابندی لازمی ہے- اگر غلہ اس نصاب کو پہنچ جائے تو عشر واجب ہے اگر نصاب کم رہے تو عشر واجب نہیں- چنانچہ حدیث میں ہے:-

عن ابی سعید الخدری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال لا یحل فی البز و التمر زکوٰۃ حتی یبلغ خمسۃ او سق و فی لفظ لیس فی حب و لا تمر صدقۃ حتی یبلغ خمسہ او سق (نسائی شریف مع التعلیقات السلفیہ صفحہ ۲۸۱ ر ا و بخاری شریف اصح المطابع صفحہ ۲۰۱ ر ا)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گندم کھجور اور دانہ جب تک پانچ وسق (تقریباً ۲۰ من) نہ ہو اس میں زکوٰۃ و عشر واجب نہیں-

بعض لوگ آیت قرآن **وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ** اور حدیث شریف **فیما سقت السماء و العیون الخ** کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زمین سے پیدا ہونے والی اجناس خوردنی میں کوئی نصاب نہیں ہے بلکہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر تھوڑی یا بہت چیز میں عشر یا نصف عشر واجب ہے اگر زمین سے دس سیر گندم پیدا ہوئی تو اس میں ایک سیر یا آدھ سیر دینا واجب ہے مگر یہ مسلک امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور چند دیگر علماء کے علاوہ کسی نے اختیار نہیں کیا۔جمہور علماء اس کے خلاف ہیں اور جمہور کا مذہب ہی صحیح،کیونکہ آیت کریمہ اور حدیث شریف کے عموم کی پانچ وسق والی حدیث نے تخصیص کر دی ہے چنانچہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ پہلے حدیث **فیما سقت السماء و العیون الخ** اس کے بعد پانچ وسق والی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قال ابو عبد اللہ ھذا تفسیر الاوّل حدیث ابن عمر فیما سقت السماء و العشر و بین فی ھذا و وقت و الزیادۃ مقبولۃ و المفسر یقضی علی المبھم اذا رواہ اھل الثبت کما روی الفضل بن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم لم یصل فی الکعبۃ و قال بلال و ترک قول الفضل (بخاری شریف اصح المطابع صفحہ ۲۰۱ ر ا)

نصاب سے زائد قلیل و کثیر سب میں زکوٰۃ ہے **و ما زاد فبحساب ذٰلک**- ۱۹ من میں نصاب سے کم ہونے کی وجہ سے عشر واجب نہیں لیکن ۲۰ من سے زائد ایک من بلکہ دس بیس سیر پر بھی عشر واجب ہے چنانچہ عشر واجب ایک من میں ۴ سیر اور نصف عشر میں ۲ سیر دینا لازم-

کن چیزوں سے عشر ادا کیا جائے؟

جن اشیاء میں عشر و زکوٰۃ واجب ہے ان کی مجمل فہرست مع مختصر احکام ترتیب وار درج ذیل ہے:-

(ا) باغات سے حاصل ہونے والے پھل' احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں پھلوں میں سے صرف کھجور اور انگور کی زکوٰۃ لینے کا ذکر آتا ہے- اس کے علاوہ کسی پھل پر عشر نہیں لیا گیا- چنانچہ امام مالکؒ ان دونوں کے احکام ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

السنۃ التی لا اختلاف فیھا عندنا و الذی سمعت اھل العلم انہ لیس فی شی من الفواکہ کلھا صدقۃ (مؤطا مع زرقانی صفحہ ۳۶۹)

وہ طریقہ جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں یہ ہے کہ (کھجور و انگور کے علاوہ) کسی قسم کے پھل میں عشر واجب نہیں ہے- اور ایسا ہی میں نے اہل علم سے سنا ہے-

ان دونوں پھلوں کی زکوٰۃ کا طریقہ یہ ہے کہ پھل پکنے کے قریب صاحبِ فراست عامل باغات میں گھوم پھر کر تمام پھل دیکھے اور انداز لگائے کہ اس باغ میں تازہ اور تر پھل کتنے من ہیں اور خشک ہونے کے بعد کتنے رہ جائیں گے- مثلاً ایک باغ کا اندازہ لگایا کہ اس میں تر پھل ۱۵۰ من ہیں' خشک ہونے کے بعد یہ ایک سو من رہ جائیں گے- سو من میں عشر ۱۰ من اور نصف عشر ۵ من ہے- یہ تفصیل اپنے رجسٹر میں درج

کرے- پھر جب پھل کٹ کر خشک ہو جائیں تو آکر عشر یا نصف عشر وصول کرے-

عشر میں کھجور اور منقیٰ لیا جائے گا- تازہ پھل نہیں لئے جائینگے- یہ تفصیل حدیث میں یوں ہے-

عن عتاب بن اسید قال رسول اللّٰہ صلے اللہ علیہ و سلم ان یخرص العنب کما یخرص لنخل و تو خذ زکوٰتہٗ کما تؤخذ صدقۃ النخل تمراً- (ابوداؤد شریف مع عون المعبود ج ۲- صفحہ ۲۴)

ترجمہ- عتاب بن اسید کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم جاری فرمایا کہ انگور کا اندازہ کھجور کی طرح لگایا جائے اور اس کی زکوٰۃ منقیٰ کی صورت میں لی جائے جیسا کہ کھجور اور انگور کا اندازہ کرنے کے بعد اب باغ کا مالک آزاد ہے کہ اپنا پھل تازہ تازہ بیچ دے خود کھائے یا دوست احباب کو تحائف میں دیدے-

عشر کے مال میں اندازہ لگانے کی حکمت:

اندازہ کا یہ طریقہ فریقین -فقراء اور اصحاب مال) کے پیش نظر جاری کیا گیا ہے کیونکہ یہ پھل خشک اور تازہ دونوں طرح کھائے جاتے ہیں- اس لئے اگر اندازہ کے بغیر ان کے استعمال کی اجازت ہوتی تو فقراء کا سراسر نقصان تھا اور اگر عشرادا کئے بغیر ان کے استعمال سے روک دیا جاتا تو اصحاب مال خسارہ میں رہتے اور طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا ہو جاتے- اس طریقہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں صاحب مال کی ہیرا پھیری اور خیانت کا اندیشہ باقی نہیں رہتا- فقراء کا حق اس کے ذمہ متعین ہو جاتا ہے جو عامل وقت پر آکر وصول کرے گا-

شریعت کی طرف سے اس سلسلہ میں اربابِ مال کو ایک رعایت بھی دی گئی ہے جس کا ذکر حدیث شریف میں یوں آیا ہے-

عن سہل بن ابی حشمۃ قال امرنا رسول اللّٰہ علیہ و سلم اذا خرصتم فجدو ا فدعوا الثلث فان لم تدعوا الثلث فدعوا الربع (ابوداؤد مع عون المعبود صفحہ ۲۴)

جب کسی باغ کا اندازہ لگاؤ تو تیسرا حصہ چھوڑ دو اگر تیسرا حصہ نہ چھوڑو تو چوتھا چھوڑ دو-

اس کے دو معنی ہیں اصل اندازے سے تیسرا یا چوتھا حصہ چھوڑ دو یا عشر لیتے وقت عشر سے تیسرا یا چوتھا حصہ چھوڑ دو- مثلاً کسی باغ کے خشک پھل کا اندازہ سو من ہے تو اس سے ۳۳ یا ۲۵ من چھوڑ دو یا اس کے عشر ۱۰ من سے ساڑھے تین من چھوڑ دو- کیونکہ باغ والے کو اپنے طور پر بھی غرباء مساکین اور مزدور پیشہ لوگوں سے ہمدردانہ سلوک کرنا پڑتا ہے- نیز دوست و احباب اور خویش و اقارب کے حقوق بھی ادا کرنا ہوتے ہیں-

وہ چیزیں جن پر عشر نہیں مگر قیمت کے منافع پر زکوٰۃ ہے

ان دونوں پھلوں کے علاوہ ہر قسم کے پھل جیسے سنگترہ، مالٹا، ناشپاتی، آڑو، خربوزے، تربوز اور آم وغیرہ جو چند دن کے مہمان ہوتے ہیں- عشر و زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں- ان کے مالک ان پھلوں کو بیچیں، سال کے بعد ان کی قیمت سے جو کچھ منافع ہو اس کی زکوٰۃ دیں-

چاول، مکئی، چنے، باجرہ وغیرہ پر عشر دیا جائے-

(۲) اجناس خوردنی اور ہر قسم کا غلہ جو انسان کی خوراک وغیرہ بنتا ہے جیسے گندم، چاول، مکئی، باجرہ، جَو، چنا اور جوار وغیرہ ان میں سے جو قسم نصاب کو پہنچ جائے- اس میں بالتفصیل مذکور عشر واجب ہے- نصاب کو نہ پہنچے تو عشر نہیں ہے- امام مالکؒ کے نزدیک گندم، چھلکادار اور بغیر چھلکا کے جَو اگر علیحدہ علیحدہ نصاب کو نہیں پہنچتے سب کو جمع کرنے سے نصاب پورا ہو جاتا ہے تو عشر واجب ہے-

امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کا اختلاف

(۳) ہر قسم کی دالیں جیسے چنے، ماش، مونگی، ارہر، مسور اور

جائے تو امریکہ اور مغرب کی حکومتیں دراصل سرمایہ داروں کے تحفظ کی مختلف شکلیں ہیں اور یہودی سرمایہ ہی سے ان کے اقتدار کی تقدیر وابستہ ہے۔

عالمِ اسلام، جو خلفائے راشدین کے بعد خاندانی و قومی سلطنتوں میں بٹا رہا اور بادشاہوں کی خرمستیوں سے زوال کی اُتھاہ گہرائیوں تک جا پہنچا اور اب بھی ہر لحاظ سے پسماندہ اقوام پر مشتمل شمار کیا جاتا ہے، مغرب کے سوداگروں کے لئے خام مال کی بہترین منڈی ہے۔ اس لئے سرمایہ دار ممالک کسی صورت میں بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ حیران و پریشان انسانیت، اسلامی نظام کے فیوض و برکات سے مستفید ہو کہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام سرمایہ داری نظام کے لئے موت کا پیغام ہے۔

مغرب اب تک قوم پرستی اور قومی مفادات کے تحت اپنی اقوام کو بے وقوف بنائے چلا جا رہا ہے۔ مغرب کے سرمایہ داروں کو خطرہ ہے کہ اسلام کے عادلانہ نظام سے مغرب کے لوگ سرمایہ داروں کو باہر نکال پھینکیں گے۔ اس لئے آج صلیبی دنیا، جو سود خواری کا مرکز ہے، جہاں کہیں دیکھتی ہے کہ عالم اسلام میں اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے تگ و دو ہو رہی ہے تو وہاں اپنے تمام وسائل کے ساتھ اسلامی نظام کے قیام کی کوششوں کی مخالفت کرتی ہے۔ پھر نہ انہیں کسی اخلاقی اصول کا پاس ہوتا ہے اور نہ اقوام متحدہ کے منشور کا، اور نہ یہ کہ دوسری ریاستوں کے اندرونی معاملات میں دخل دینا یو۔ این۔ او U.N.O چارٹر کی خلاف ورزی ہے۔

اگر الجزائر میں مغربی طریقِ جمہوریت سے مسلمان انتخابات میں اکثریت حاصل کرتے ہیں، اُن کی اِس حق تلفی پر نہ اقوامِ متحدہ ٹس سے مس ہوتی ہے اور نہ مغرب کے انسانی حقوق کے ادارے اور نہ ہی امریکہ و برطانیہ کی جمہوریت پسندی، بلکہ اس وقت یہ تمام آمریت کے حامی و پرستار بن جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک فلسطین کے خون کی کوئی وقعت نہیں، ان کو کشمیریوں کی مظلومیت نظر نہیں آتی، یہ افغان مجاہدین کی کامیابیوں کو اس لئے سبوتاژ کرتے ہیں کہ افغانستان میں اسلامی حکومت قائم ہونے کا خدشہ باقی نہ رہے۔ پاکستان پر پریسلر ترمیم کا اطلاق اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ بھارت کے مقابلے میں سارے عالم اسلام کے لئے آہنی دیوار بننے کی کوشش کرتا ہے۔

عالمِ اسلام کے اندر اس بیداری اور مد و جزر کو اب خاموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ اس مد و جزر سے مغرب کو زیادہ سے زیادہ مفادات حاصل ہونے کی توقعات ہونگی۔ مگر عالمِ اسلام ایک نہ ایک دن ضرور اپنے توحیدی عقیدہ اور قرآن و حدیث کے ابدی اصولوں کے مطابق منظم ہو گا۔ اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اسلام کے توحیدی انقلاب سے بہت جلد عالمِ اسلام میں تہذیب و تمدن کی یہ دو رنگی ختم ہونے والی ہے۔ کیونکہ امتِ مسلمہ کو اب اس کا احساس ہو رہا ہے۔

بادشاہی انداز حکومت سے امت واحدہ کا جسم مریض چلا آ رہا ہے۔ مغرب کی غلامی نے ان کا ذہن بھی لوٹا اور گھر بھی۔ آج کا مسلمان ذہنی مصائب کے سمندر میں ہچکولے کھا رہا ہے۔ مگر اس نے عزم صمیم کیا ہے کہ وہ اسلام کے امن و سلامتی کے کنارے پر ضرور پہنچے گا۔ اسلام کے ساحل پر اُتر کر ہی وہ ماضی کے تمام نقصان کی تلافی کر سکتا ہے وہ حال کو سنوار کر مستقبل کے مینار سے ہی ساری انسانیت کو ابدی فلاح کا پیغام سنا سکے گا۔

اسلامی نظام کی شکل میں قرآنی صدا سن کر ساری انسانیت رنگ و نسل اور غلط ادیان کے قلادے گردن سے اتار کر خدا کی بندگی کا قلادہ پہن لے گی۔ افغانستان کے کوہساروں سے اسلامی بیداری کا یہ کارواں روانہ ہو چکا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے کونے کونے سے قافلے اس میں آملیں گے اور پوری دنیا پر اسلام کا نیا سورج پوری آب و تاب سے بہت جلد افغانستان کے افق سے طلوع ہونے والا ہے۔

*****

مٹر وغیرہ امام مالک اور دوسرے آئمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ امام ابو حنیفہؒ اور دیگر آئمہ کے نزدیک ان میں سے جو قسم نصاب کو پہنچ جائے گی اور صرف اس سے عشر واجب ہے اور جو نصاب کو نہیں پہنچے گی اس میں عشر واجب نہیں ان کو جمع کر کے نصاب پورا نہیں کیا جائے۔ امام مالکؒ کے نزدیک علیحدہ علیحدہ یا سب مل کر نصاب کو پورا کر دیں۔ دونوں صورتوں میں عشر واجب ہے، وہ حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مختلف دالوں کو جمع کر کے عشر لیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ جب ان کی شکل و صورت ان کے خواص اور ان کے نام الگ الگ ہیں۔ تو ان کو جمع نہیں کرنا چاہئے بلکہ جو قسم نصاب کو پہنچ جائے اس پر عشر واجب ہے ورنہ نہیں۔

گڑ، شکر اور چینی وغیرہ پر عشر

(۴) گڑ، شکر اور چینی یہ تینوں الگ الگ یا مل کر نصاب کو پہنچ جائیں۔ دونوں صورتوں میں عشر واجب ہے۔ کیونکہ یہ تینوں ایک ہی چیز کی مختلف شکلیں ہیں۔

سرسوں اور توریہ وغیرہ

(۵) تیل نکالنے کے بیج مثلاً توریا، سرسوں، تارا میرا اور ارنڈی وغیرہ۔ زیتون بھی ایک قسم کے دانے ہیں جو عرب ممالک شام و لبنان میں بکثرت پیدا ہوتے ہیں جو برصغیر پاک و ہند میں پیدا نہیں ہوتے ۔ ان سے زیتون کا تیل حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ دانے کسی اور طریقہ سے استعمال نہیں ہوتے۔ امام مالکؒ نے موطا میں اس کے عشر کا طریقہ یہ بتایا تھا کہ اگر کسی کے کھیت سے ۲۰ من (پانچ وسق) زیتون کے دانے حاصل ہوں تو مالک ان کا تیل نکلوائے اور اس تیل سے عشر یا نصف عشر ادا کرے، عشر میں دانے نہیں دے سکتا۔ ہمارے ہاں کے تیل نکالنے کے بیجوں کو بھی اس پر قیاس کر لیا جائے۔

گوارا چری وغیرہ پر عشر

(۶) وہ دانے جو انسان کی خوراک تو نہیں بنتے لیکن مویشیوں کا چارہ حاصل کرنے کے لئے بیج کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے گوارا چری، موٹھ جئی، برسیم، لوسن وغیرہ جن آئمہ کے نزدیک دانوں پر عشر دینے کے لئے ان کا خوراک ہونا ضروری ہے ان کے نزدیک تو ان میں عشر نہیں ہے۔ لیکن امام احمدؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک (داد خار) سال بھر باقی رہنا ہی کافی ہے، خوراک بنیں یا نہ بنیں۔ اس لئے ان کے نزدیک ان پر عشر واجب ہے۔ اور یہ صحیح بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب یہ دانے زمین کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں اور زمیندار ان سے ہر سال لاکھوں روپے کماتے ہیں نیز یہ سال بلکہ اس سے زیادہ عرصہ تک باقی رہ سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان سے غرباء کو ان کے حق سے محروم کر دیا جائے اور ان کو عشر نہ دیا جائے۔

کپاس اور نرما وغیرہ پر عشر ہے

(۷) ہر قسم کی کپاس دیسی و امریکن نرما وغیرہ ان میں عشر واجب ہونے کی وہی علت ہے۔ جو قسم سابق امام احمدؒ اور امام تیمیہؒ کے نزدیک ذکر ہوئی ہے۔

پہلی چار قسم کی زمینی پیداوار سے چونکہ غرباء و مساکین براہ راست بغیر کسی طویل عمل کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے عشر میں وہی جنس ہی دی جائے، جس سے عشر دینا لازم آتا ہے۔ مثلاً گندم سے گندم اور چینی سے چینی ہی دی جائے۔ قیمت نہیں دینا چاہئے۔ باقی تین قسم کی پیداوار سے غرباء بغیر طویل عمل کے براہ راست فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ کپاس سے کپڑا تیار کرنا اور سرسوں توریا وغیرہ سے تیل نکالنا ان کے لیے مشکل ہے۔ اس لیے ان اجناس میں اگر صاحب مال قیمت ادا کر دے تو کوئی مضائقہ نہیں ۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے۔

عن معاذ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خذ الحب من الحب والشاۃ من الغنم والبعیر من الابل والبقرۃ من البقر (ابو داؤد مع عون المعبود صفحہ ۲۲ر۲)

معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا عشر میں غلہ سے غلہ' بکریوں سے بکری' اونٹوں میں سے اونٹ' اور گایوں سے گائے لو۔

بعض لوگوں نے صرف چار چیزوں گندم' جو' کھجور اور منقیٰ سے عشر لینا بتایا ہے اور دلیل میں وہ احادیث نقل کی ہیں جن میں ان ہی چار چیزوں کے نام آتے ہیں۔ مگر وہ احادیث مرسل' منقطع یا انتہائی کمزور ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں۔ ائمہ حدیثؒ نے انہیں قبول نہیں کیا۔ اس لیے ان لوگوں کا یہ مسلک صحیح نہیں ۔ قرآن واحادیث کے عموم کی ان ضعیف حدیثوں سے تخصیص نہیں ہو سکتی۔

اس کے برعکس امام داؤد ظاہریؒ فرماتے ہیں کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر (جو آمدنی کا ذریعہ ہو) زکوٰۃ واجب ہے لیکن جس چیز میں ناپ تول جاری ہوتا ہے اس مین وجوب عشر کے لیے نصاب شرط ہے' جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے' اور جو چیزیں ناپ تول میں نہیں آتیں' ان میں قلیل اور کثیر میں عشر ہے۔

غرباء کی ضروریات اور امراء کے تزکیہ نفس و مال کے پیش نظر تو یہ مذہب احوط اور صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی **وھذا نوع من الجمع** کہہ کر اس مذہب کی ترجیح پر ایک گونہ اطمینان کا اظہار فرمایا ہے۔ دورِ حاضر کے بعض ممتاز علماء نے بھی اس کو ترجیح رہی ہے۔ مولانا عبید اللہ رحمانی اپنی تصنیف مرعاۃ میں المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۰ جلد ۳ میں فرماتے ہیں۔

وارجح ھذہ الاقوال واقواھا عندی قول داؤد الظاھری

ترجمہ۔ میرے نزدیک ان اقوال میں سے داؤد ظاہری کا قول زیادہ قوی اور راجح ہے اور اسی طرح التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی صفحہ۲۸۱ میں بھی اسی مذہب کو ترجیح دی گئی ہے۔

گاجر' مولی' آلو اور دیگر سبزیاں

زمین سے پیدا ہونے والی جتنی چیزیں اوپر بیان ہوئی ہیں اگر نصاب سے کم ہیں تو ان میں عشر نہیں ہے۔ جمہور کے نزدیک ہر قسم کی سبزیوں مثلاً گاجر' مولی' آلو' گوبھی' پالک گھیا' ٹنڈے' اور ٹماٹر وغیرہ نیز مویشیوں کے ہر قسم کا چارہ' گوارا' چری' شلغم' برسیم' لوسن وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہے۔ ان کے مالک ان چیزوں کو بیچیں سال کے بعد ان کی قیمت سے جو بچ رہے اس کی زکوٰۃ دیں۔ پہلے گذر چکا ہے کہ کھجور اور انگور کے علاوہ باقی تمام پھلوں کا بھی یہی حکم ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں۔

لیس فی شئی من الفواکہ کلھا صدقۃ ولا فی القضب ولا فی البقول کلھا صدقۃ ولا فی اثمانھا اذا بیعت صدقۃ حتی یحول علیھا الحول من یوم بیعھا ویقبض صاحبھا ثمنھا۔

(مؤطا شریف مع زرقانی صفحہ ۳۱۹ ر۲)

ترجمہ۔ کھجور اور انگور کے علاوہ ہر قسم کے پھلوں میں' اسی طرح مویشیوں کے چارہ میں نیز ہر قسم کی سبزیوں میں عشر واجب نہیں ہے۔ جب مالک ان چیزوں کو بیچ کر قیمت اپنے قبضہ میں کر لے تو سال کے بعد اس سے زکوٰۃ ادا کرے۔

یاد رہے امام ابو حنیفہؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کے نزدیک تمام سبزیوں ہر قسم کے پھلوں اور مویشیوں کے چارہ میں عشر واجب ہے۔

نقدی اور سونے چاندی کی زکوٰۃ

مال کی دیگر اقسام بہائم' اجناس خوردنی اور مال تجارت کی طرح نقدی اور سونے چاندی کے مالکوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہے اور اس کی فرضیت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہوتی ہے۔ جو شخص نقدی اور سونے چاندی کے نصاب کا مالک ہے اور اس پر سال بھی گذر چکا ہے۔ ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا' اس کے لئے قرآن حکیم اور حدیث پاک میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ یہ مال و دولت محض اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اس میں سے زکوٰۃ ادا کرنا اس انعام کا شکر ہے۔ اس لئے کسی مسلمان کو اس نعمت کی ناسپاسی کر کے اللہ تعالیٰ کی وعید کا خطرہ مول نہیں لینا چاہئے۔

سونے اور چاندی کا نصاب

بہائم اور اجناس خوردنی کی طرح سونے چاندی کیلئے بھی نصاب مقرر ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں۔

عن علی بن ابی طالب عن النبی صلے اللہ علیہ و سلم قال اذا کانت لک مائتا درھم و حال علیها الحول ففیها خمسۃ دراھم و لیس علیک شیء فی الذھب حتی یکون لک عشرون دینارًا فاذا کانت لک عشرون دینارًا و حال علیها الحول ففیها نصف دینار۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت علیؓ کا بیان ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور اس پر سال بھی گذر جائے تو ان میں زکوٰۃ پانچ درہم ہو گی اور جب تمہارے پاس بیس دینار سونا ہو تو سال کے بعد ان میں نصف دینار زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لیس فیما دون خمس اواق من الورق صدقۃ و لیس فیما دون خمس ذود من الابل صدقۃ و لیس فیما دون خمسۃ اوسق من التمر صدقۃ (رواہ احمد و البخاری من حدیث ابی سعید)

جابر کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۵ اوقیہ (۲۰۰ درہم) سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں ہے۔ اور ۵ سے کم اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں ہے اور ۵ وسق تقریباً ۲۰ من سے کم غلہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

کتب حدیث میں مروی دیگر بیسیوں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے چاندی کے لئے ۲۰۰ درہم اور سونے کے لیے ۲۰ دینار نصاب مقرر فرمایا ہے۔ اور ان پر وجوب زکوٰۃ کے لیے ایک سال کی میعاد کو شرط قرار دیا ہے۔ دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی علماء ہندو پاک کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہمارے ہاں کے رائج اوزان کے مطابق ۲۰۰ درہم چاندی کا وزن ساڑھے باون تولہ اور ۲۰ دینار سونا کا وزن ساڑھے سات تولہ ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ سونے چاندی کے مالک ہر مسلمان کے لئے اس نصاب کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ نقدی کی زکوٰۃ چاندی کی قیمت کے مطابق ہو گی۔

کیا نصاب پورا کرنے کے لئے سونا اور چاندی دونوں کو جمع کیا جائے

اگر کسی کے پاس سونے اور چاندی میں سے کسی کا بھی نصاب پورا نہیں ہے تو اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں کو جمع کر کے نصاب پورا کیا جائے اور اس زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ لیکن دوسرے آئمہ اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک جب تک سونے اور چاندی میں سے ہر ایک الگ الگ نصاب کو نہ پہنچے زکوٰۃ واجب نہیں ہے ان دونوں کو باہم ملا کر نصاب پورا نہیں کیا جائے گا اور یہی مذہب صحیح ہے۔ کیونکہ یہ دونوں دھاتیں علیحدہ علیحدہ جنسیں ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کی باہمی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔ ان کے ضم کے لیے قوی دلائل چاہئیں۔

مال ضمار کی تعریف اور اس کا حکم

اگر کسی شخص کا مال اس طرح اس کے ہاتھ سے نکل جائے کہ اسے معلوم نہیں کہ وہ اسے واپس ملے گا یا نہیں تو وہ مال' مال ضمار کہلاتا ہے مثلاً جنگل میں کسی جگہ مال دفن کیا اور جگہ بھول گیا' یا مال سمندر میں ڈوب گیا' یا کسی نے چھین لیا اور ثبوت نہیں ہے' یا کسی بادشاہ نے ناحق جرمانہ کر دیا' یا کوئی قرض لے کر مکر گیا اور اس کے پاس گواہ یا تحریر نہیں ہے۔

ان سب صورتوں میں اگر مال مل جائے۔ خواہ کئی سال بعد ملے تو اس کو ایک سال کی زکوٰۃ دینی ہو گی۔ ملنے سے پہلے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں دینا پڑے گی امام مالکؒ موطا میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کسی ظالم حاکم سے چھینا ہوا مال مظلوم کو واپس دلوایا اور لکھا کہ مال کا مالک گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ دے۔ لیکن اس کے بعد معاً دوسرا فرمان بھیجا کہ

صرف ایک سال کی زکوٰۃ دی جائے' یہ مال ضمار تھا۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے:۔

من له على آخر دين فجحده سنين ثم قامت به بينة لم يزكه لما مضى معناه صارت له بينة بان اقر عند الناس و هي مسئلة ضمار (صفحہ ۱۶۹) جس نے کسی سے قرض لینا ہو اور مقروض کئی سال تک اس کا انکار کرتا رہے پھر اس کا ثبوت مل جائے' جس کے نتیجہ میں مال وصول ہو جائے تو وہ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ مصنف کہتے ہیں کہ ثبوت ملنے کا یہ مطلب ہے کہ مقروض لوگوں کے سامنے اقرار کر بیٹھے۔

قرض کی زکوٰۃ

اگر کسی شخص نے کسی کو قرض دیا اور کئی سال بعد وصول ہوا تو اس پر ایک سال کی زکوٰۃ ہے۔ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں دینی پڑے گی۔ اگر اسے نصاب کے مطابق قرض کی رقم وصول نہیں ہوئی' لیکن اس کے پاس کچھ نقدی یا مال تجارت موجود ہے۔ جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ تو قرض کی رقم اس میں جمع کر کے زکوٰۃ دے۔ اگر اس کے بعد نقدی وغیرہ کچھ نہیں تو پھر وہ قرض کی وصول شدہ رقم یاد رکھے۔ اس کے بعد جب اسے اتنی رقم ملے کہ پہلی اور پچھلی مل کر ۲۰۰ درہم یا ۲۰ دینار کو پہنچ جائے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ پھر جو رقم اسے تھوڑی بہت ملتی جائے حساب کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے۔

اگر کسی مقروض کے پاس اس قدر سامان ہے کہ اس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اس کے پاس نصاب کے مطابق نقد روپیہ بھی ہے تو وہ نقد روپیہ کی زکوٰۃ دے۔ اگر قرض اتنا زیادہ ہے کہ نقد اور اسباب دونوں سے پورا ہو سکتا ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (موطا)

یتیم کے مال میں زکوٰۃ

یتیم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے سرپرست پر لازم ہے کہ ہر سال اس کے مال سے زکوٰۃ ادا کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

عن عبد الله بن عمرو ان النبي صلى الله عليه و سلم خطب الناس فقال الا من ولى يتيما له مال فليتجر فيه و لا يتركه حتى تاكله الصدقة۔ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ) حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا لوگو! آگاہ رہو جس کے زیر نگرانی کوئی مالدار بچہ ہو تو وہ اس کا مال تجارت میں لگائے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کو آہستہ آہستہ زکوٰۃ ختم کر دے۔

موطا میں ہے:۔

ان عمر بن الخطاب قال اتجروا في اموال اليتامى لا تاكلها الزكوة۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا یتیموں کے مال میں تجارت کرو۔ اسے زکوٰۃ نہ کھا جائے۔

عن القاسم كانت عائشة تليني و اخا لي يتيمين في حجرها فكانت تخرج من اموالنا الزكوة۔ (موطا) قاسم کہتے ہیں میں اور میرا بھائی یتیمی کی حالت میں حضرت عائشہؓ کے زیر نگرانی تھے۔ وہ ہمارے مال سے زکوٰۃ نکالا کرتی تھیں۔

قاسم یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی زیر سرپرستی یتیموں کا مال تجارت میں لگا رکھا تھا۔

مذکورہ بالا حدیث اور آثار سے معلوم ہوا کہ یتیم کے مال پر زکوٰۃ فرض ہے۔ فرضیت زکوٰۃ پر دلالت کرنے والی آیات قرآنیہ اور احادیث صحیح سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ ان میں چھوٹے اور بڑے کے درمیانی فرق نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان میں بتایا گیا ہے کہ غنی پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جہاں غناء پایا جائے گیا زکوٰۃ فرض ہو گی۔

اس مسئلے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ امام مالکؒ اور جمہور علماء کا مذہب ہے کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے امام ابو حنیفہؒ اور چند دیگر علماء کہتے ہیں کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے لیکن یہ مذہب مرجوح ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ امام صاحبؒ یتیم کی کھیتی باڑی اور

باغات کے پھلوں میں عشر واجب بتاتے ہیں - اور اس کے مال سے صدقہ الفطر کے وجوب کے بھی قائل ہیں- مگر سونے چاندی پر نہیں مانتے-

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ امام سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ یتیم کے مال سے زکوٰۃ تو فرض ہے- مگر سرپرست ہر سال کی زکوٰۃ کا حساب محفوظ رکھے- جب لڑکا بالغ ہو تو اسے بتا دے- کہ تمہارے مال میں گذشتہ سالوں کی واجب الادا ہے- اب یہ لڑکے کا کام ہے کہ زکوٰۃ دے یا نہ دے- سرپرست خود زکوٰۃ نہیں دے سکتا-

یہ مذہب بھی مرجوح ہے مذکورہ بالا دلائل کے پیش نظر سرپرست کو چاہیئے کہ وہ ہر سال وقت پر زکوٰۃ ادا کرے-

زیور کی زکوٰۃ

سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ فرض ہے- اس کے متعلق خاص احادیث و آثار کے علاوہ کتاب و سنت کے عموم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے قرآن مجید میں ہے-

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَ الْفِضَّۃَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ- (۹:۳۴)

یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اے اللہ کے رسولؐ انہیں درد ناک عذاب کی بشارت دیدیں-

حدیث شریف میں ہے:-

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم و فی الورقۃ ربع العشر- (کتب حدیث) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاندی پر چالیسواں حصہ یا ڈھائی فیصد زکوٰۃ فرض ہے-

و قال لیس فیما دون خمس اواق من الورق صدقۃ فاذا بلغ مائتی درہم ففیھا خمسۃ دراھم یعنی پانچ اوقیہ سے کم چاندی پر زکوٰۃ نہیں ہے جب ۲۰۰ درہم ہو جائیں تو ان میں سے ۵ درہم زکوٰۃ واجب ہے-

حافظ ابن حزمؒ کہتے ہیں- اس سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں- ان کو کسی نص اور اجماع نے زکوٰۃ مستثنیٰ نہیں کیا- (المحلیٰ صفحہ ۶،۸۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیورات سے زکوٰۃ نہ دینے پر بڑی وعید بیان فرمائی ہیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے:-

عن عبد اللّٰہ بن عمر و ان امراۃ اتت النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم و معھا ابنۃ لھا و فی ید ابنتھا مسکتان غلیظتان من ذھب فقال لھا اتعطین زکوٰۃ ھذا قالت لا قال اَیسرّک ان تسورک اللّٰہ سوارًمن نار قال فخلعتھما و القتھما الی النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم قالت ھما للہ و لرسولہ- (ابو داؤ- نسائی)

عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی- جس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی اس کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے- آپؐ نے پوچھا اس کی زکوٰۃ بھی دیتی ہو؟ اس نے نفی میں جواب دیا- فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ راوی کا بیان ہے یہ سنتے ہی اس نے دونوں کنگن اتار دیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیئے اور بولی، میں نے یہ دونوں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی راہ میں دے دیئے-

یحییٰ بن سعید قطان فرماتے ہیں- اس حدیث کی سند صحیح ہے امام منذری کہتے ہیں اس کی سند میں کوئی کلام نہیں-

عن امّ سلمۃ قالت کنت البس اوضاحًا من ذھب فقلت یا رسول اللّٰہ اکنز ھُوَ؟ فقال ما بلغ ان تؤدّیٰ زکوٰتہٗ فزکّیٰ علیہ فلیس بکنزٍ- (رواہ مالک، ابو داؤد مشکوٰۃ)

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں سونے کی پازیبیں پہنا کرتی تھی میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ کنز (جمع کردہ سونا چاندی) ہے؟ آپ نے فرمایا جو زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو وہ کنز نہیں ہے-

عن عائشۃ قالت دخل علیّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم فرایٰ فی یدی فتحات فقال ما ھذا یا عائشۃ؟ فقلت صنعتھن

اتزین لک بھن یارسول اللہ قال اتودین زکوٰتھن فقلت لا قال ھن تکفبک من النار۔ (ابو داؤد، دار قطنی)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور میرے ہاتھ میں بڑی بڑی انگوٹھیاں دیکھیں۔ اور پوچھا عائشہؓ! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ زیور میں نے آپکی خاطر خوبصورتی حاصل کرنے کے لئے بنوائے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ آپؐ فرمایا پھر آگ کی سزا کے لیے تجھے یہی کافی ہیں۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ امام حاکمؒ نے اس کو صحیحین کی شرط پہ صحیح کہا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زیورات کی زکوٰۃ دینی لازم ہے۔ ان کی زکوٰۃ نہ دینے والا بڑے خطرے میں ہے۔ صحابہؓ میں حضرت عمرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہ اور عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ زیورات پر وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ اور ائمہ دین میں امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ، امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ہدایہ ہے:۔

وفی تبتہ الذھب والفضۃ وحلیھما واوانیھما الزکوۃ۔
سونے چاندی کی ڈلی، ان کے زیورات اور برتنوں پر زکوٰۃ ہے۔

امام مالکؒ امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور ایک قول میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سونے چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ یہ حضرات قیاس اور بعض صحابہؓ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں مگر صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس اور آثار کا قطعاً اعتبار نہیں ہے۔ کتاب و سنت کے نصوص کی روشنی میں پہلا مذہب راجح اور دوسرا مرجوح ہے۔ اس لیے جن لوگوں کے پاس زیورات ہیں انہیں ہر سال زیورات کی زکوٰۃ بالالتزام ادا کرنی چاہیے۔ وہ اپنے زیورات کا وزن کریں۔ اگر سونے کے زیورات ساڑھے سات تولے اور چاندی کے ساڑھے باون تولے یا اس سے زیادہ ہو جائیں تو ان کی قیمت سے ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کریں۔

* * * * * * * *

جہاد افغانستان کے تحریک آزادی کشمیر پر اثرات

اللہ کا یہ بڑا کرم ہے کہ کشمیر کے اندر اس وقت جو تحریک چل رہی ہے۔ یہ تحریک آزادی کشمیر پہلی بار اسلام کے شیدائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ میں افغان مجاہدین کو سلام پیش کرتا ہوں، کہ ان مجاہدین نے اسلاف کی تاریخ کو دہرایا اور کشمیری مسلمانوں کے لئے ایک بے مثال نمونہ پیش کیا۔ وہ کشمیری جو کل تک "تپسی تب ٹھس کرسی" کے نام سے مشہور تھا، آج اس کی منزل اور اس کا عزم یہ ہے، "ادھر آ ستم گر ہنر آزمائیں، تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں" ہر کشمیری نوجوان یہ عہد کئے ہوئے ہے کہ وہ جہاد کے ذریعے کشمیر کو بھارت کے چنگل سے نکال کر مملکت خداداد پاکستان کا حصہ بنائے گا۔ کشمیر کی آزادی ایک مضبوط و مستحکم پاکستان کی ضمانت ہے۔ آزادی کشمیر ۲۰ کروڑ مسلمانان ہند کی آزادی کی ضمانت ہے۔

(ایوب ٹھاکر، ایک سیاسی رہنما۔ مقبوضہ کشمیر)

* * * * * * * *

متفرق مسائل

(۱) جس کے پاس نصاب کے مطابق رقم ہے پھر سال پورا ہونے تک اس میں اضافہ ہی ہوتی رہتا ہے نصاب سے کم نہیں ہوتی۔ تو سال پورا ہونے پر ساری رقم میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔ کیونکہ حولان حول کی شرط نصاب کے لیے ہے۔ دوران سال حاصل ہونے والی رقم کے لیے نہیں۔ جیسے کسی کے پاس دوسو روپیہ ہے۔ پھر ماہ بماہ اس میں اضافہ ہوتا جائے حتیٰ کہ سال پورا ہونے تک ہر وہ رقم دو ہزار ہو جاتی ہے۔ تو دو ہزار کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

(۲) جو آدمی نقدی یا تجارتی مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ پھر چھ

ماہ بعد اسے ورثہ یا ہبہ کی صورت میں کچھ رقم مل جائے تو اسے عرف عام میں مال مستفاد کہتے ہیں۔ تو اس پر پہلے مال کے ساتھ اس کی زکوٰۃ دینی ضروری نہیں۔ بلکہ اس کی تحویل میں آنے کے ایک سال بعد اس رقم میں زکوٰۃ واجب ہو گی ۔ ہاں اگر اپنی آسانی کے لیے پہلے مال کے ساتھ زکوٰۃ دینا چاہے تو جائز ہے۔

(۳) اگر بیوی کا مال الگ ہے تو اسے اپنے مال کی زکوٰۃ خود ادا کرنا ہو گی۔ شوہر پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی نہ صرف یہ کہ وہ اپنے مال کی خود زکوٰۃ ادا کرتی تھیں بلکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ یا رسول اللہ! میرا خاوند غریب ہے میں اپنی زکوٰۃ اسے دوں تو ادا ہو جائے گی۔ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ اور فرمایا۔ بیگانوں کو دینے کی بجائے اپنے خاوند کو دینے میں تمہیں دو گنا ثواب ملے گا' ایک زکوٰۃ دینے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

مال تجارت کی زکوٰۃ

ہر قسم کے تجارتی مال میں زکوٰۃ فرض ہے اور اس کے ادا کرنے کے لیے حولان حول کی شرط ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:۔

عن سمرۃ بن جندب انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یامرنا ان نخرج الصّدقۃ من الذی نعد للبیع۔

(ابو داؤد مشکوٰۃ)

سمرۃ بن جندب کہتے ہیں جو مال ہم تجارت کے لیے تیار کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس سے زکوٰۃ کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

ایک شخص حماس نامی رنگے ہوئے چمڑوں اور تیر محفوظ رکھنے کے ترکشوں کی تجارت کرتا تھا۔ وہ کہتا ہے:۔

ان عمرؓ قال لہٗ قوّمھا یعنی الادم والجعاب وادّ ذکاتھا

(بیہقی ص ۱۴۷ ج ۴ ابو عبید نمبر ۴۲۵)

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اس کہا کہ ان چمڑوں اور ترکشوں کی قیمت لگاؤ اور ان کی زکوٰۃ ادا کرو۔

ہوشیار کون ہے؟

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! بتلایئے کہ آدمیوں میں سے کون زیادہ ہوشیار ہے اور دور اندیش ہے' آپ نے ارشاد فرمایا:

وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور موت کے لیے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے۔ جو لوگ ایسے ہیں وہی دانش مند اور ہوشیار ہیں۔ انہوں نے دنیا میں بھی عزت حاصل کی اور آخرت کا اعزاز اور اکرام بھی۔

ooo

ابن قدامہ کہتے ہیں اس جیسا واقعہ مشہور ہوتا ہے۔ چونکہ اس پر کسی صحابی کا انکار مروی نہیں لہٰذا اس پر اجماع ہوا۔

عن عبداللّٰہ بن عمر انّہٗ کان یقول فی کل مال یدار فی عبید او دوّاب او بزّ للتجارۃ تدار الزکوٰۃ فیہ کل عام۔ (عبد الرزاق)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے جو سرمایہ' غلاموں' چوپایوں یا کپڑوں کی تجارت میں لگایا جائے اس پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہے۔

ہدایہ میں ہے:۔

الزکوۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت اذا بلغت قیمتھا نصابا من الورق او الذھب۔ (صفحہ ۱۷۷ / ج ۱) زکوٰۃ ہر قسم کے سامان تجارت پر واجب ہے جب اس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے۔

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے تجارتی مال پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اور اس پر علماء کا اتفاق ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

معدودے چند افراد کے سوا ائمہ اربعہ اور دیگر تمام آئمہ

دین اس بات پر متفق ہیں کہ تجارت کے سامان میں زکوٰۃ واجب ہے- خواہ تاجر مقیم ہوں یا مسافر- ارزانی کے وقت سامان خرید کر گرانی کا انتظار کرنے والے تاجر ہوں یا عام دکاندار جو ہر وقت اور ہر نرخ پر خرید و فروخت میں مصرف رہتے ہیں- تجارت کا مال نئے یا پرانے کپڑے ہوں یا کھانے پینے کا سامان- ہر قسم کا غلہ، پھل فروٹ، سبزی، گوشت وغیرہ مٹی، چینی، دھات وغیرہ کے برتن ہوں یا جاندار چیزیں، غلام، گھوڑے، خچر اور گدھے وغرہ گھر میں پلنے والی بکریاں ہوں- جنگل میں چرنے والے ریوڑ، غرض تجارت کے ہر قسم کے مال پر زکوٰۃ فرض ہے- (القواعد النورانیہ الفقیہ لابن تیمیہ صفحہ ۹۰)

مصارف زکوٰۃ

حدیث میں آیا ہے:-

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ و سلم ان اللہ لم یرض بحکم نبی و لا غیرہ فی الصدقات حتی حکم ہو فیما فجزّأھا ثمانیہ اجزاء (کتب احادیث)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ میں اللہ تعالیٰ نے نبی یا کسی غیر نبی کے فیصلہ کو پسند نہیں فرمایا بلکہ اس کے متعلق اس نے خود فیصلہ فرمایا اور اس کے آٹھ مصرف بیان کئے ہیں-

قرآن حکیم میں ہے:-

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ- (التوبہ:٦٠) یعنی زکوٰۃ کا مال فقراء و مساکین زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملوں، مولفین، غلاموں، قرضداروں اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں اور مسافروں کے لیے ہیں-

ان آٹھ قسموں کی مختصر تفصیل اس طرح ہے:-

۱-۲ فقراء جمع فقیر کی اور مساکین جمع مسکین کی امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک فقیر کی حالت مسکین سے بدتر ہوتی ہے- کیونکہ مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس تھوڑا بہت ہو- اور فقیر جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو- امام ابو حنیفہؒ کا قول اس کے برعکس ہے-

۳- زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل، یہ وہ لوگ ہیں جو امام یا کسی ادارہ کی طرف سے زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے مقرر ہوتے ہیں علامہ ابن العربی فرماتے ہیں- "زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص فرض کفایہ بجا لائے وہ اس کی مزدوری لے سکتا ہے- جیسے نماز کی اقامت ہے- نماز تو سب انسانوں پر فرض ہے لیکن جماعت کرانا فرض کفایہ ہے اس لیے جیسے امام جماعت کرانے پر اُجرت لے سکتا ہے اسی طرح زکوٰۃ جمع کرنے والے عامل کا اجرت لینا بھی جائز ہے- امام اپنی صوابدید سے کام کے مطابق مال زکوٰۃ سے ان کو معاوضہ دے-

۴- مؤلفہ القلوب، اس سے وہ ضعیف الایمان مسلمان مراد ہیں- جن کی اگر دلجوئی اور مالی اعانت نہ کی جائے- تو ان کے اسلام سے منحرف ہو جانے کا خطرہ ہو یا ایسے مائل بہ اسلام کافر ہیں کہ مالی اعانت سے وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے- امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آج کل یہ مصرف ساقط ہے- مگر صحیح یہ ہے

میرا مال! میرا مال!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

بندہ کہتا ہے کہ میرا مال! میرا مال! حالانکہ اس کا حقیقی مال صرف وہ ہے:

(۱) جو اس نے کھا کر ختم کر دیا-

(۲) جو اس نے پہن کر پرانا کر دیا-

(۳) جو اس نے خدا کی راہ میں دے دیا- اور اپنی آخرت کے واسطہ ذخیرہ کر لیا-

اس کے سوا جو کچھ ہے وہ دوسروں کے لیے چھوڑ جائے گا اور خود یہاں سے ایک دن رخصت ہو جائے گا-

کہ آج کل بھی بوقت ضرورت عمل کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ غلام، آج کل چونکہ غلامی کا رواج نہیں رہا۔ اس لیے اس حصہ کو زکوٰۃ کے دوسرے مصرف کی طرف منتقل کر دیا جائے گا ہاں اگر کوئی مسلمان دشمن کے ہاتھوں کے گرفتار ہو جائے تو اس مد سے فدیہ دے کر اسے چھڑایا جا سکتا ہے۔

۶۔ غارمین، ان سے مراد مقروض ہیں جن پر اتنا قرضہ چڑھ گیا ہو کہ ان میں اس کے ادا کرنے کی سکت باقی نہیں رہی مگر یاد رہے۔ اگر کوئی شخص خلاف شرع کاموں میں مال خرچ کرنے کی وجہ سے مقروض ہو گیا ہے، جیسے جواء بازی، شراب نوشی اور عیاشی وغیرہ۔ جب تک ان کاموں سے توبہ نہ کرے اس کی زکوٰۃ اور دیگر صدقات سے اعانت کرنی جائز نہیں اگر مقروض فوت ہو جائے اور قرض ادا کرنے کے لیے کوئی چیز نہ چھوڑ جائے تو زکوٰۃ کی اس مد سے اس کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ فی سبیل اللہ، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو محاذ جنگ پر دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہوتے ہیں - یہ لوگ غنی بھی ہوں تب بھی ان کو مال زکوٰۃ دینا جائز ہے امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں - غریب غازی کو مال زکوٰۃ دیا جائے گا، غنی کو دینا جائز نہیں۔ مگر یہ مسلک قرآن حکیم کے اطلاق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے خلاف ہے:۔

لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة غاز فی سبیل اللہ۔
(الحدیث) پانچ قسم کے اغنیاء کے علاوہ کسی غنی کے لیے مال زکوٰۃ جائز نہیں ہے ان میں ایک غنی غازی فی سبیل اللہ ہے۔

سامان ضرب و حرب خریدنے کے لیے قومی دفاعی فنڈ میں زکوٰۃ کا مال جائز ہے محمد بن عبد الحکم فرماتے ہیں۔ آلاتِ حرب گھوڑے اور ہتھیار خریدنے اور دشمن کو اپنے ملک سے نکالنے کے لیے زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ دیکھئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن ابی حثمہ کے قتل کے سلسلہ میں فتنہ و فساد اور لڑائی کا شعلہ سرد کرنے کے لیے زکوٰۃ کے ۱۰۰ اونٹ خرچ کر دیئے تھے۔
(احکام القرآن لابن العربی صفحہ ۹۵۷)

علامتیں نفاق کی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
نفاق کی علامات یہ ہیں۔

(۱) آنسوؤں کا خشک ہونا۔
(۲) دل کا سخت ہونا۔
(۳) گناہ پر اصرار کرنا۔
(۴) دنیا پر حرص ہونا۔

PROPERTY OF ACKU

فی سبیل اللہ کے مفہوم میں حج اور عمرہ بھی داخل ہے۔

وعن ابن الانس الخزاعی قال حملنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ابل الصدقة الی الحج والعمرة۔ (رواہ احمد)

ابن الانس خزاعی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سفر حج میں سواری کے لیے زکوٰۃ کے اونٹ دیئے۔ امام شوکانیؒ اس کے علاوہ متعدد احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ فی سبیل اللہ کی مد سے حج اور عمرہ کے لیے جانے والوں کی امداد کی جا سکتی ہے۔ اور ان کے سفر کا سامان وغیرہ تیار کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی جانور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف ہے تو اس پر حاجی اور معتمر سفر کر سکتا ہے۔

اسی طرح مدارس دینیہ پر، جہاں مفلوک الحال غریب طلباء تعلیم پاتے ہوں، زکوٰۃ کا مال صرف کرنا جائز ہے۔

۸۔ ابن سبیل، اس سے وہ مسافر مراد ہے جو اگرچہ اپنے وطن میں امیر ہے مگر سفر میں اس کے پاس خرچ ختم ہو گیا۔ اس کے لیے گھر پہنچنا مشکل ہو گیا ہے، ایسے مسافر پر زکوٰۃ کا خرچ کرنا جائز ہے اور جو مسافر اور سفر دونوں جگہ محتاج ہے۔ وہ بطریق اولیٰ مستحق ہے۔

درسِ حدیث

عَنِ النُّعمانِ بنِ بشیرٍ قال قال رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم
اَلدُّعاءُ ھُوَ العِبادۃُ ثُمَّ قرأ وَقالَ رَبُّکُمُ ادْعُونِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ :
رواہُ احمدُ والترمذیُّ وابوداؤد والنسائیُّ وابنُ ماجۃ

نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" دعا ہی عبادت ہے" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی" اور تمہارے پروردگار نے فرمایا مجھ سے دُعا مانگو میں تمہارے لئے قبول کروں گا" (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

عَنْ اَنَسٍ قالَ قالَ رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلدُّعاءُ مُخُّ العِبادۃِ
(رواہُ الترمذیُّ)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" دُعا عبادت کا مغز (گودہ) ہے: (ترمذی)

عَنْ اَبِی ھُریرۃَ قالَ قالَ رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم لیسَ شیءٌ اَکرمَ علَی اللہِ مِنَ الدُّعاءِ : رواہُ الترمذیُّ وابنُ ماجۃ وقال الترمذیُّ ھذا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز دُعا سے زیادہ معزز (بزرگ) نہیں ہے"۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

عَنْ اَبِی ھُریرۃَ قالَ قالَ رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ لَمْ یَسْئَلِ اللہَ یَغْضَبْ علیہِ : (رواہُ الترمذیُّ)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ (ترمذی)

نوٹ : یہ تمام احادیث مشکوٰۃ شریف جلد ا کتاب الدعوات الفصل الثانی سے لیگئی ہیں

مسئلہ افغانستان کا پُر وقار حل

شیخ جمیل الرحمٰن شہیدؒ کے سہ نکاتی فارمولے کی روشنی میں

تحریر۔ امتیاز احمد بنگش

عالمی شہرت یافتہ جاپانی پروفیسر کاپاٹامونا نے گوربا چوف کی گلاسناسٹ اور پریسٹرائیکا پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

"گلاسناسٹ اور پریسٹرائیکا کا بڑا چرچا ہو رہا ہے۔ اسے گوربا چوف کی وسیع النظری سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ روس کو "آزاد کرانے" سے تشبیہہ دی جا رہی ہے۔ مگر کم لوگوں کی نظریں اس طرف منعطف ہوئی ہوں گی کہ گوربا چوف کی دونوں بین الاقوامی شہرت یافتہ پالیسیاں دراصل ان افغان مجاہدین کے خون کا صدقہ جاریہ ہیں جنہوں نے روس کے کھوکھلے پن کو دنیا کے سامنے برہنہ کر دیا۔ یہ ایک ایسی سچائی ہے جس پر افغان جہاد کے مخالفین شائد یقین نہ کریں یا وہ دانستہ اس پر یقین نہ کرتے چاہتے ہوں مگر کچھ عرصہ بعد جب روس اپنے بوجھل وجود اور ناکارہ خون کی بدولت دھڑام سے فرش زمین پر کراہ رہا ہو گا تب دنیا کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہو گی کہ برزنیف نے دریائے آمو کو عبور کر کے افغانستان پر یلغار کرنے کی کتنی بڑی غلطی کی تھی اب گوربا چوف کی پریسٹرائیکا ہو یا گلاسناسٹ دراصل روس کی خفت کا ایک ڈپلومیٹک مظاہرہ ہے' جو روس کے جدت پسند سیاستدانوں اور دانشوروں سے مثائی نہیں جا رہی۔"

وہ سُپر پاور روس جسے بیرونی دنیا کی طرف سے اپنے شہریوں پر جبر' بے جا پابندیوں اور کے جی بی کی وجہ سے آہنی پردے سے تشبیہہ دی جاتی تھی۔ گوربا چوف کی گلاسناسٹ اور پریسٹرائیکا پالیسیوں کی وجہ سے یہ آہنی پردہ آہستہ آہستہ اٹھنے لگا۔ سوویت یونین کی سرخ زمین گوربا چوف کے متذکرہ اقدامات سے اپنا قدیم اور اشتراکی رنگ بدلنے لگی۔ اس پردے کے اٹھ جانے سے سوویت یونین کی بھیانک شکل نظر آنے لگی۔ ایک ایسا سوویت یونین جسے بھوک اور مالی بدحالی نے اَدھ مُوا کر دیا تھا۔

عظیم سپر پاور' ملحدانہ نظریہ کمیونزم کے داعی اور عالم اسلام کے دشمنِ اول روس کو اس حالت میں پہنچانے والے وہ نہتے افغان مجاہدین ہیں جنہوں نے بے سروسامانی کی حالت میں جہاد شروع کر کے اپنے ملک پر یلغار کرنے اور گرم پانیوں تک رسائی حاصل کر کے عالمِ اسلام کے وسائل پر قابض ہونے کا خواب دیکھنے والے روس کو کاسۂ گدائی اٹھانے پر مجبور کر کے عالم اسلام کا دفاع کیا۔

ان مجاہدین کے کارناموں کی بدولت آج دنیا میں عظیم تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں روسی ریچھ کے پنجوں میں جکڑی ہوئی ریاستیں ایک ایک کر کے آزاد ہونے لگیں۔ دَبے اور پسے ہوئے عوام ایک بھرپور قوت سے اٹھے اور اشتراکیت کے خاتمے کا باعث بن گئے - دیوار برلن زمین بوس کر دی گئی۔ لینن کے مجسموں کو روند دیا گیا۔ اشتراکیت کے خلاف اس لہر نے ساری دنیا کو لرزا براندام کر دیا۔ دنیا بے چینی سے ان عظیم تبدیلیوں کو دیکھ رہی تھی جو جہاد افغانستان کے بدولت رونما ہو رہی تھیں - جہاد افغانستان کی وجہ سے سابق سوویت یونین کو روزانہ ایک کروڑ ڈالر کا نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا۔ جس سے سوویت یونین کا

موسمِ بہار

بہار کا موسم آتے ہی ہر طرف روح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، سوئی ہوئی امنگیں جاگ اٹھتی ہیں اور چستی و توانائی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ جسم و مادہ کی کائنات میں آفتاب کا ایک پورا دور گزر جانے کے بعد یہ موسم آتا ہے اور اطبا کا یہ بیان ہے کہ جسم سے فاسد مادہ وضع کرنے اور مسہل لینے کا یہ بہترین زمانہ ہے ٹھیک اسی طرح روح و جسم کی کائنات میں بھی چاند کا ایک دور گزر جانے کے بعد موسمِ بہار آتا ہے۔ ماہتاب کو عشق کے سودازدوں سے مناسبت ظاہر ہے ماہتاب جب اپنے سالانہ سفر کا چکر ختم کرتا ہے تو عشق و محبت کی اقلیم میں پھر شوریدگی و جنون کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور سال کے گیارہ مہینوں کے اندر غیریت کی جو کدورتیں جم جاتی ہیں طبیعت انکے دفع کرنے کے لیے بیقرار ہو جاتی ہے، اسی لیے رحمتِ کاملہ و محبوبیتِ مطلقہ نے اپنے وفاشعاروں، اپنے سرمستوں کے لیے ایک خاص مہینہ، ماسوا سے بے تعلق و بے نیاز رہنے کا مقرر کر دیا ہے جسکو اصطلاح میں "رمضان" سے موسوم کرتے ہیں:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ

اے حسنِ ازل سے پیمانِ وفا باندھنے والو! اپنے محبوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو! اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو آؤ اپنے طریقِ عشق و آئینِ الفت میں ایک مہینہ تک ماسوا پر نظر کرنا تک ناجائز سمجھو اور اپنی تمام نفسانی لذتوں کو ایک بڑی اور حقیقی لذت کے تصور پر قربان کرتے رہو، کہ یہی نفسانی لذتیں اس شاہدِ حقیقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ اس حکم سے غرض تم کو تکلیف میں ڈالنا نہیں بلکہ ——

مقصود خود تمہاری ہی فلاح و بہبود ہے۔ تمہارے ہی کمالات کی نشو و نما اور ترقی ہے تمہیں میں ضبطِ نفس پیدا کرنا، تمہیں کو خواہشاتِ نفسانی پر حاکم بننے کی تعلیم دینا ہے تمہاری پاکیزگی کی چھپی ہوئی قوت کو ابھارنا اور تمہیں حیوانات کے غار سے نکال کر ملکوتیت کے آسمان پر پہنچانا ہے۔ تمہاری بوالہوسی جو تمہاری خودداری پر غالب آ جاتی ہے اسی کو توڑنا منظور ہے، تمہاری راہِ عروج میں ہر طرح کی سہولت پیدا کرنی ہے اور تمہارے ہی چھپے ہوئے اندرونی دشمنوں یعنی بدی کی طاقتوں کو ہلاک و نابود کرنا مقصود ہے۔

(مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ)

معاشی دیوالیہ نکل گیا۔ بھوکے ننگے روسی عوام کے پیٹ بھرنے کے لئے میخائل گورباچوف نے کاسۂ گدائی اٹھایا اور دنیا کے سات بڑے اقتصادی ممالک کے پاؤں پکڑ کر بھیک مانگنے لگے۔ دنیا کے نقشے سے اللہ تعالیٰ کو سوویت یونین کا خاتمہ منظور تھا۔ اس لئے گورباچوف کی زبردست کوشش کے باوجود سوویت یونین ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ یکے بعد دیگرے ہر ریاست اعلان آزادی کرنے لگی۔ آخرکار ۲۵ دسمبر ۱۹۹۱ء' سوویت یونین دنیا کے نقشے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ جانے کا دن ثابت ہوا اور اس کے بعد نقشے پر پندرہ نئی ریاستوں کا اضافہ ہو گیا' وہ روس جس نے ساری عمر خدا کے وجود سے انکار کیا اور پورے زور شور اور پوری قوت سے لوگوں کی ایک عظیم تعداد کو خدا تعالیٰ کے وجود سے انکار پر مجبور کرتا رہا۔ آج کے جدید دور میں جہاں مادی وسائل اور سامان حرب ہی طاقت کا اصل سرچشمہ سمجھے جاتے ہیں۔ وہاں ایک عالم نے دیکھ لیا کہ سب سے بڑی سپر طاقت تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے ایک محدود اور پسماندہ قوم کو یہ طاقت بخشی کہ نہتے ہونے کے باوجود دنیا کے دو تہائی رقبے پر قابض سوویت یونین کو دنیا سے مٹا دے۔

انہی مجاہدین میں سے ایک نام ایسا ہے۔ جنہیں لوگ بانی جہاد افغانستان کی حیثیت سے پہچانتے ہیں اس عظیم شخصیت کا نام شیخ جمیل الرحمان شہیدؒ ہے جس کے کارنامے اور خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آج اس مضمون میں' میں مسئلہ افغانستان کے حل کے بارے میں شہید شیخ جمیل الرحمانؒ کے پیش کردہ فارمولے کو زیر بحث لا رہا ہوں اس سلسلے میں بالخصوص اقوام متحدہ کے سابقہ سیکرٹری جنرل کے پیش کردہ پانچ نکاتی فارمولے کا بڑا چرچا ہے۔ یہاں میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جہاد افغانستان میں لاکھوں شہداء کا خون کس کاز کے لئے بہا تھا؟ اور کیا اس فارمولے میں اس مقصد کے حصول کا تذکرہ ہے؟

قارئین! مسئلہ افغانستان خالصتاً ایک اسلامی مسئلہ ہے۔ یہاں پر فدایان اسلام نے عظیم قربانیاں دی ہیں پندرہ لاکھ سے زائد مسلمان اپنے زندگیاں قربان کر کے شہید ہوئے۔ پچاس لاکھ سے زائد مہاجرین بن کر در بدر ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوئے۔ لاکھوں افغان زندگی بھر کے لئے مفلوج بن گئے۔ لاکھوں بچوں کے سر سے سایہ شفقت اٹھ گیا۔ الغرض افغانستان کا ہر گھرانہ اس مسئلے سے براہ راست متاثر ہوا اور تلخ یادیں ہر ایک

آہنی پردہ اٹھنے کے بعد سپرپاور روس کی اصل بھیانک شکل نظر آنے لگی ایک ایسا روس جسے بھوک اور مالی بدحالی نے ادھ موا کر دیا تھا۔

کا مقدر بن گئیں۔ وہ عظیم مقصد جس کے لئے افغان مجاہدین آگ کے سمندر میں کود کر شعلوں میں گھرے ہوئے افغانستان کو روسی ریچھ کے جبڑوں کو پھاڑ کر نکال لائے' جس کی وجہ سے روس تباہی سے دوچار ہوا۔ وہ مقصد کیا تھا؟ وہ مقصد صرف اور صرف اسلام کو سپریم نظام کا درجہ دینے کا تھا۔ اسے کیپٹل ازم' سوشلزم' نیشنلزم اور کمیونزم کے مقابلے میں پیش کر کے اقوام عالم میں ایک عظیم حیثیت دلانے کا مقصد تھا۔ وہ مقصد مسلمانوں کو تنزلی کے درجے سے اٹھا کر اسلاف کے تجربوں سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کرانے کا تھا۔ مجاہدین اسلام یہ مقصد کس قدر حاصل کرنے میں کامیاب رہے' یہ سب کچھ اقوام عالم پر عیاں ہیں۔ دنیا افغان مجاہدین کے کارناموں کی معترف ہے۔ دشمنانِ اسلام افغان مجاہدین کی دینی حمیّت سے سخت خائف ہیں اور انہیں اپنے لئے موت تصور کرتے ہیں۔ وہ اس نازک مرحلے میں افغان جہاد کو ہائی جیک کر کے ان عظیم قربانیوں پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں جو افغان مسلمان گذشتہ تیرہ سال سے مسلسل دیتے آ رہے ہیں۔ ان کے ذاتی اور خالصتاً اسلامی مسئلہ میں مداخلت کر کے انہیں دشمنانِ اسلام کا پیش کردہ نظام اپنانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ کیا ہمارا یہ فرض نہیں بنتا کہ ہم ان کے مذموم اور گھناؤنے عزائم کو سمجھیں ہم ان شیطانی عناصر سے کس طرح یہ توقع رکھیں کہ وہ مسلمانوں کی فلاح اور بہتری

کے لئے مخلص ہیں۔ مسلمانوں کے دشمن، امریکہ کو کس طرح افغان مجاہدین کے لئے مخلص اور ہمدرد سمجھیں۔ امریکہ ان مجاہدینِ اسلام سے اس قدر خائف ہے کہ وہ ہر قیمت پر مسئلہ افغانستان کے حل کے بارے میں [redacted] اقوام متحدہ کے پیش کردہ فارمولے کو منوانے پر تُلا ہوا ہے۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ اسلامی ممالک [redacted] بھی اس کی تائید کر رہا ہے۔ اسلامی دنیا کے ذمہ ابھی یہ جواب دینا باقی ہے کہ اس نے گذشتہ تیرا سال سے جاری جہاد میں افغان مجاہدین کو مکمل سپورٹ فراہم کر کے اس نازک موڑ پر کیوں اپنا مؤقف تبدیل کر لیا ہے؟ اور یوں افغان مسلمانوں کی دی جانے والی قربانیوں پر کیوں پانی پھیر رہی ہے؟ اگر مزید دو سال تک مجاہدین کی ماضی کی طرح خلوصِ نیت سے اخلاقی امداد جاری رکھی جاتی تو آج افغانستان کا مسئلہ کہیں بہتر صورت حال سے دوچار ہوتا۔

دوسری طرف افغان مجاہدینؒ اقوام متحدہ کے اس فارمولے پر مختلف مؤقف اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اخبارات میں آئے دن افغان کمانڈروں (جو جہاد کے اصل محرک ہیں) اور لیڈروں کے بیانات اور جلسوں کے بارے میں خبریں آ رہی ہیں۔ جن میں اکثریت اقوام متحدہ کے فارمولے کی مخالفت اور افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام تک جہاد جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کرتی ہے۔

مجاہدین کے مختلف گروپوں کے مابین اگرچہ اختلافات موجود ہیں لیکن ایک مقصد پر وہ سب متفق و متحد ہیں۔ وہ مقصد افغانستان کو آزاد کرا کر یہاں قرآن و سنت کا نظام عملی طور پر نافذ کرنا ہے۔ اس مقصد کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بارے میں بانیٔ جہادِ افغانستان شہید شیخ جمیل الرحمانؒ نے ایک جامع منصوبہ پیش کیا تھا۔ جس پر خلوص دل سے عمل پیرا ہو کر جہاد افغانستان کے مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں اور اسی فارمولے میں مسلمانانِ عالم کے لئے نوید سحر بھی ہے۔

شہید شیخ جمیل الرحمانؒ نے مسئلہ افغانستان کے حل کے بارے میں تین نکاتی فارمولا پیش کیا تھا جو کچھ اس طرح ہے:

(ا) "افغانستان کی فتح اور خالص اسلامی حکومت کے قیام کا واحد راستہ جہاد فی سبیل اللہ ہے"۔ اس کے علاوہ جو بھی راستہ اختیار کیا گیا وہ کانٹوں سے پُر ہو گا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے لازم ہے کہ سب جہادی تنظیمیں متحد ہوں۔ متحدہ کمانڈ سے جو فتح

آج کے جدید دور میں جہاں مادی وسائل اور سامان حرب کو ہی طاقت کا اصل چشمہ سمجھا جاتا ہے وہاں افغانستان میں ایک عالم نے دیکھ لیا کہ سپر طاقت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

حاصل ہو گی وہی پائیدار ہو گی۔ اس کامیابی کے بعد اہلِ افغانستان انتشار اور افتراق سے بھی محفوظ رہیں گے اور بیرونی طاقتوں کو افغانستان میں مداخلت کی جرأت نہ ہو گی۔

(۲) "مغربی جمہوریت افغانستان کے لئے زہر قاتل ہے" یہ اندازِ جمہوریت جس مسلم ملک نے بھی اپنایا ہے وہاں نہ تو نفاذِ اسلام ممکن ہوا اور نہ ہی وہ حکومتیں مستحکم ہو سکیں۔

(۳) "آزاد افغان علاقوں میں متحدہ اسلامی اداروں کا قیام" شیخ شہیدؒ نے بیرونی مداخلت سے بچنے کے لئے یہ تجویز بار بار مجاہد تنظیموں کو پیش کی تھی۔ اگر مجاہدینؒ خواہ وہ کسی بھی گروپ یا تنظیم سے متعلق ہوں، اپنے تمام جہادی اور دیگر مادی وسائل ان مجوزہ اسلامی اداروں کے حوالے کریں تو مختصر مدت میں فتح ہمارے قدم چومے گی۔ انتشار و خلفشار کا خاتمہ ہو گا۔ فتح کے بعد خون خرابہ ممکن نہ رہے گا۔ قبائلی رسم و رواج جنھوں نے قوم کو ادھ مؤا کر دیا ہے، خواب بن جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ متحدہ کمان ہی قوم کو متحد رکھ سکتی ہے۔ جب آزاد علاقوں میں متحدہ اسلامی ادارے شرعی قوانین نافذ کریں گے تو یقیناً موجودہ بدامنی کی فضا باقی نہ رہے گی مزید یہ کہ مستقبل کی اسلامی حکومت کے قیام کی راہ ہموار ہو گی۔ اس تین نکاتی فارمولے پر

اگر مجاہدین خلوص دل سے عمل پیرا ہو جائیں تو یقین جانئے نہ تو بیرونی غیر مسلم سازشیں پنپ سکتی ہے۔ اور نہ ہی وسائل کی کمی سدِ راہ بن سکتی ہے۔ خلوص و محبت اور یگانگت ہی وہ طاقت ہے جو باطل کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ ایسی ہی ایک مثال شہید شیخ جمیل الرحمانؒ نے صوبہ کنڑ میں امارت اسلامی قائم کر کے پیش کر دی تھی۔ جہاں انہوں نے مکمل اسلامی نظام کا نفاذ کر کے تمام عالم اسلام کے لئے ایک نظیر پیش کر دی تھی امارت

افغان جہاد کا مقصد افغانستان میں مکمل اسلامی نظام نافذ کر کے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کرنا ہے اور اسلام دشمن اس لیے مسلم افغانستان سے خائف ہیں۔

اسلامی میں اسلامی سزائیں پر مکمل عمل درآمد کر کے ہر قسم کے بدامنی اور جرائم کا خاتمہ کر کے امن و امان سے بھرپُور ایک اسلامی ماحول مہیا کیا تھا۔ باشندگانِ کنڑ اسلامی نظام کے فیوض وبرکات سے مستفیذ ہوئے اور انہوں نے قرآن و سنت کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالیں۔ امارتِ اسلامی نے قصاص اور حدود کا نفاذ کر کے قاتل سے قصاص یا دیت دلائی اور چوروں کے ہاتھ کاٹے، زانیوں کو سنگسار (رجم) کیا۔ منشیات کی وَبا کی روک تھام کے سلسلے میں آج تمام دنیا بے بس نظر آتی ہیں لیکن بہت مختصرمدت میں شہید شیخ جمیل الرحمانؒ نے اس مسئلے کو کنٹرول کر لیا تھا۔ صوبہ کنڑ میں ہر قسم کی نشہ آور اشیاء پر مکمل پابندی لگا دی گئی تھی۔ افیون کی کھڑی فصلوں کو تلف کیا تھا۔ اور کسانوں کو معاوضہ ادا کرنے کے علاوہ متبادل روزگار بھی دلایا گیا تھا۔

لیکن دشمنانِ اسلام کو اپنے مذموم گھناؤنے عزائم کی تکمیل میں شیخ جمیل الرحمانؒ کی انقلابی شخصیت ایک بڑی رکاوٹ نظر آ رہی تھی۔ علاوہ ازیں شیخ شہیدؒ کا لگایا ہوا پودا امارتِ اسلامی کی شکل میں اسلام دشمن قوتوں کی نیند حرام کئے ہوئے تھا لہٰذا بڑی تیزی سے گھناؤنی سازشیں شروع ہو گئیں اور ۲۲ اگست ۱۹۹۱ء کو خونریز جھڑپوں کے بعد امارت اسلامی کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور اس کے فوراً بعد ۳۰ اگست ۱۹۹۱ء کو شیخ جمیل الرحمانؒ شہید کر دیئے گئے۔

اگر آج بھی شیخ شہیدؒ کے اس تین نکاتی فارمولے پر عمل کیا جائے تو افغان مسئلہ پروقار طریقے سے اور زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کر کے حل کیا جا سکتا ہے۔ اور اس طریقے سے قائم ہونے والا مسلم افغانستان زیادہ مضبوط بھی ہو گا اور پوری دنیا کے لئے اسلامی نظام کے نفاذ کے حوالے سے ایک نظیر بھی۔

○ ○ ○

کشمیر — پاکستان کی شہ رگ

قائداعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے' اس لئے کہ پاکستان کے تمام دریاؤں کا منبع کشمیر ہے۔ پنجاب اور سندھ اس لئے سرسبزو شاداب ہیں کہ ان کا پانی کشمیر سے آتا ہے۔ کشمیر کے بلند و بالا پہاڑ پاکستان کا دفاع ہیں۔ پاکستان کو چین سے ملانے والا علاقہ کشمیر کہلاتا ہے۔ گلگت اور بلتستان آزاد کشمیر میں ہیں۔ دشمنوں کی سازش ہے کہ پاکستان کو چین سے الگ کر دیا جائے اور اسے بھارت سے ملا دیا جائے۔ اس لحاظ سے اور دفاعی لحاظ سے پاکستان کی بقاء اور سالمیت کے لئے پاکستان کو کشمیر کی ضرورت ہے۔ اگر پاکستانیوں کو کشمیر کی ضرورت نہیں' تو پاکستان کو کشمیر اور کشمیر کو پاکستان کی ضرورت ہے۔ نظریاتی طور پر' دفاعی اعتبار سے اور اقتصادی پہلو سے کشمیر پاکستان کا حصہ ہے اور اس کے حصول کے لئے آپ جدوجہد کرتے رہیں۔

○ ○ ○ ○ ○

دعوتِ حق کے درویش خدا مست

دعوت حق کے راستے میں مجاہدین اپنی جان' مال اور وقت کی بازی لگاتے ہیں' جبکہ عوام الناس اپنے معیارِ زندگی زیادہ کرنے اور دو پیسے زیادہ کمانے میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ نادان مادہ پرست ان مجاہدین کی "نادانی" پر ہنستے ہیں اور بات وہی ہو جاتی ہے جو پشتو زبان کی ضرب المثل ہے کہ "کلہ لیونی طورے خاندی اور لیونے کلی پورے خاندی" یعنی عوام الناس کو دیوانے پر ہنسی آتی ہے اور دیوانے کو عوام الناس پر ہنسی آتی ہے۔

ابو الکلام آزاد نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

"تم ان کو مجنوں سمجھ کر اپنے جی کو سمجھا لو لیکن وہ ایسے ہیں کہ ان کا جنون تمہاری ہوشیاری پر ہنستا ہے۔ تم ساری دنیا کی دولت کما کر بھی وہ لذت و عیش' وہ نشاط و سرور ایک لمحہ کے لئے بھی حاصل نہیں کر سکتے' جو وہ اپنا سب کچھ کھو کر' اپنے ہاتھوں ہتھکڑیاں پہن کر' اپنے جسم کو زخموں سے چُور کر کے بلکہ اکثر اوقات دار و رَسن کے نیچے کھڑے ہو کر حاصل کیا کرتے ہیں۔ تم میں ایک بھی ایسا انسان نہیں جو ہفت اقلیم کی بادشاہت کا تاج پہن کر اس لذت کو پا سکے جو راہِ دعوت کا ایک درویش مجاہد اور فاقہ مست اپنے تلووں میں کانٹے چُبھا کر حاصل کرتا ہے اور اپنی شہنشاہی کے آگے تمہارے چاندی اور سونے کے بڑے بڑے بتکدوں کو کنکر و پتھر کے ایک ڈھیر سے زیادہ نہیں پاتا۔ تم اس سے انکار مت کرو البتہ کہو کہ تم ان باتوں کے مخاطب نہیں"

صحابہ کرامؓ اور دیگر مجاہدینِ دعوتِ حق نے بارہا یہ اظہار کیا ہے' اگرچہ ان مجاہدین میں زمان و مکان کے لحاظ سے کتنا ہی

تحریر: محمد رحیم خٹک

فرق و فاصلہ کیوں نہ ہو' کہ اگر ہمارے مخالفین اور دشمنوں کو پتہ چلے کہ دعوتِ حق کے راستے میں سب کچھ کھونے کے باوجود ہمیں کتنی خوشی اور قلبی اطمینان ہے تو وہ ہمیں آرام سے بلکہ زندہ نہ چھوڑیں۔

صحابہ کرامؓ کی مثال اس لئے نہیں دیتا کہ لوگ بہانہ بنائیں گے کہ 'ان جیسی استطاعت ہم میں کہاں؟ ان کے ساتھ تو دلاسا دینے والے رحمت العالمین پیغمبرؐ موجود تھے' اس لئے بعد کے ادوار کی مثال دیتا ہوں۔

شہدائے بالا کوٹ میں سید احمد شہید بریلوی کے ساتھیوں میں سے ایک مجاہد زخموں سے چور قریب المرگ تھا کہ اتنے میں ایک دوسرا مجاہد پہنچا اور پہلے مجاہد کے زخمی سر کو اپنی ران پر رکھا اور چہرے سے خون صاف کرنے لگا۔ زخمی نے پوچھا "اے میرے دوست! بتا حضورؐ نے شہید ہوتے زخمی مجاہد کی تکلیف کتنی بیان فرمائی ہے؟ دوسرے مجاہد نے جواب دیا: کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ کانٹے برابر بھی نہیں۔ شہید ہونے والے مجاہد نے کہا "سچ فرمایا ہے ہمارے پیغمبرؐ نے واقعی مجھے کانٹے برابر تکلیف بھی نہیں ہو رہی" اور داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔

اس سے ہم سب کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو جہاد سے گھبراتے ہیں اور طرح طرح کے حیلے بناتے ہیں۔ اللہ کی نصرت و امداد صرف صحابہ کرامؓ کے ساتھ تو مخصوص نہیں تھی بلکہ وہ تو عمل صالحہ اور جدوجہد کے ساتھ مخصوص ہے جو کوئی بھی زمان و

مکان کے فرق کے بغیر عملِ صالحہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی شرط پوری کرے گا تو پائے گا۔ بقول اقبال۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اور الحمدللہ کوئی بھی دور دعوت حق کے ان فاقہ مست مجاہدین سے خالی نہیں رہا ہے اور دعوت حق کے سلسلہ میں اللہ

کوئی انسان ہفت اقلیم کی بادشاہت کا تاج پہن کر بھی اس لذت کو نہیں پا سکتا جو راہ حق کا مجاہد اپنے تلوے میں کانٹے کی چبھن سے پاتا ہے۔

تعالیٰ کی حجت انہی مجاہدین کے ذریعے پوری ہوتی رہتی ہے کہ تم میں سے ایک گروہ تو ایسا ہونا چاہئے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی دعوت دے اور دعوت کا حق ادا کرے کوئی بھی دور ایسے مجاہدین سے کبھی خالی نہیں رہا۔

امتِ مسلمہ کے ماضی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ علماء و مشائخ کی امت میں کبھی کمی نہیں رہی۔ جن کے تقویٰ اور فضل و کمال کی ایک دنیا معترف ہے مگر دعوت حق اور اصلاحِ امت میں فیصلہ کن کردار صرف چند خاص صاحبانِ عزم الامور ہی کے حصہ میں آیا ہے۔

پہلی صدی ہجری میں اصحابِ خیرالقرون کی جماعت موجود تھی۔ کون ہے جو ان کی عظمت و شرف میں ایک لمحہ کے لئے بھی شک کر سکے لیکن بدعات و محدثات بنو امیہ کے مقابلے میں ثبات فی الحق کا جو ایک مخصوص مقام تھا وہ تو حضرت حسین ابن علیؓ اور حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کے سوا کسی اور کے حصے میں نہ آیا۔ امام مالکؒ کے دور میں مشہور عباسی خلیفہ منصور تخت نشین تھا۔ اس دور میں اصحابِ علم و عمل کی کیا کمی تھی؟ مگر ستر کوڑوں کی ضرب تو صرف امام مالکؒ کے حصے میں آئی اور جب تذلیل و تشہیر کے لئے اونٹ پر سوار کیا گیا تو انہوں نے پکار پکار کر کہا

"جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا سو جان لے کہ میں ہوں مالک انس کا بیٹا۔ میں وہ اعلان کرتا ہوں کہ جس سے مجھے جبراً روکا جا رہا ہے: "جبری طلاق نہیں ہوتی" تو یہ ہیں صاحبِ عزم الامور!

قارئین ! ہم اکثر تاریخ کو اس طرح پڑھنے کے عادی ہو چکے ہیں کہ شاہ خوارزم کے دور میں امام ابن تیمیہؒ ہو گزرے ہیں۔ نہیں! بلکہ تاریخ کو تو یوں لکھنا چاہئے کہ امام ابن تیمیہؒ کے دور میں شاہ خوارزم یا شاہ ایران ہو گزرا ہے یعنی جس مجاہدؒ نے اصلاحِ امت اور دعوتِ حق کا فریضہ سرانجام دیا ہو۔ اسی کے نام سے تاریخ لکھنی چاہئے نہ کہ بادشاہ کے نام سے۔

ہمارے مورخین حضرات کو چاہئے کہ تاریخ اس طرز پر ازسرنو مرتب کریں۔ پہلے حضرت آدمؑ اور دیگر انبیاءؑ کے حوالے سے اس کے بعد خلافتِ راشدہؓ کے حوالے سے۔ پھر حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ اور اس کے بعد اصلاحِ امت کا کام کرنے اور تن من دھن کی قربانی دینے والے سرفروش مجاہدینؒ کے ناموں سے تاریخ مرتب کی جائے۔

تاریخ کہتی ہے: خوارزم شاہ کے دور میں امام ابن تیمیہؒ ہو گزرے ہیں، جبکہ تاریخ کو یوں کہنا چاہئے: امام ابن تیمیہؒ کے دور میں خوارزم شاہ ہو گزرا ہے۔

تیسری صدی ہجری کے شروع میں مختلف فتنوں اور بدعات نے سر اٹھایا مثلاً مسئلہ خلق القرآن وغیرہ۔ کیا اس دور میں اصحاب فضل و کمال کی کمی تھی؟ نہیں۔ کیسے کیسے سلاطینِ علم اور ائمۂ فن موجود تھے۔ معتصم باللہ کے ظلم و تشدد نے علماء حق کے لیے دو ہی راستے چھوڑے تھے یا تو بدعت اختیار کر لیں یا پھر دار و رسن کے لئے تیار ہو جائیں۔ اب علماء نے مختلف حیلوں اور تاویلوں کا سہارا لیا۔ کوئی **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا**

MONTHLY DAWAT URDU

ماہنامہ

مجلۂ توحید و جہاد

دعوت

مارچ ۹۲ء

درسِ قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ
اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ
فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ
الْمُقْسِطِیْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (سورۃ الحجرات پ۲۶ - آیت ۹-۱۰)

ترجمہ: اور اگر مومنین میں سے دو جماعتیں (آپس میں) لڑ پڑیں، تو (غیر جانبدار مومنو) ان دونوں کی صلح کرا دو۔ پس (اس صلح کے بعد) اگر دونوں میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنیوالی جماعت کے ساتھ لڑو، یہاں تک کہ وہ (زیادتی کرنیوالی جماعت) اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر (یہ زیادتی کرنیوالی جماعت اللہ کے حکم کی طرف) لوٹ آئے تو دونوں (ظالم اور مظلوم) کے درمیان برابری کی (سطح پر) صلح کرا دو" اور تم انصاف کرو۔ بتحقیق اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے:

بلاشبہ مومن (آپس میں) بھائی بھائی ہیں پس تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے: